ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

محدث

لاہور
پاکستان

388 | اگست 2020

مدیر اعلیٰ
ڈاکٹر حافظ عبد الرحمن مدنی

مدیر
ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

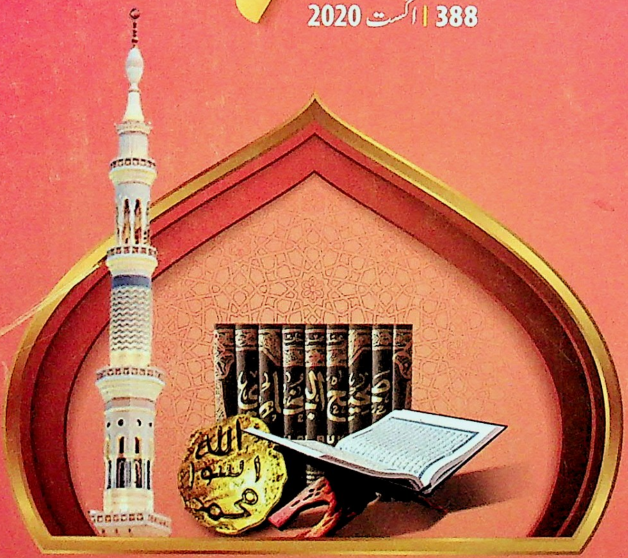

4 اسلام آباد میں نئے مندر کی تعمیر کا مسئلہ
53 حفظِ قرآن کے اُستاد کے اَوصاف
29 بین الاقوامی معاہدے اور 'ارضِ صلح'
63 مولانا حافظ صلاح الدین یوسف ... پیامِ نبوت کے محافظ!!

جامعۃ لاہور الاسلامیۃ

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL

مجلس التحقیق الاسلامی

1875ء سے تا حال، برصغیر کے جملہ مکاتب فکر کی علمی میراث کے اِحیا کا عظیم الشان انسائیکلوپیڈیا

مجلس التحقیق الاسلامی کے شعبہ رسائل و جرائد کے زیر اہتمام

موسوعہ فہارس مجلاتِ علمیہ

Encyclopedia of Combined Index of Urdu RESEARCH JOURNALS

شعبہ ہٰذا کی 20 سالہ محنتِ شاقہ اور 25 سے زائد اہل علم و فن کی شبانہ روز کاوشوں کا مظہر

اہل حدیث، دیوبندی، بریلوی اور تحریکی حلقوں کے علمی جرائد کے ساتھ، HEC کے تمام تحقیقی جرنلز پر مشتمل

■ 55 علمی جرائد کے 7435 شمارے ■ 16 ہزار مصنفین ■ ڈیڑھ لاکھ علمی مقالات ■ 12 ہزار موضوعات کے تحت ■ 21 جلدوں پر وسیع

زیر سرپرستی: ڈاکٹر حافظ عبدالرحمٰن مدنی | انتظام: ڈاکٹر حافظ انس مدنی، ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی

علمی نگرانی: ڈاکٹر حافظ حسن مدنی | ترتیب و تدوین: محمد شاہد حنیف و 8 معاونین

خصائص

1 اُردو بلکہ دنیا کی کسی بھی زبان میں میں علمی و تحقیقی مضامین کی وسیع ترین فہرست index 2 برصغیر کے ممتاز اہل علم و دانش، اداروں، تحریکات اور یونیورسٹیوں کی تحقیقات محفوظ و مرتب 3 ہزاروں موضوعات پر اپنے اسلاف کی خدمات کو چند منٹوں میں یکجا کرنا اور استفادہ کرنا ممکن 4 مجلات میں شائع شدہ مضامین پر مشتمل بیسیوں کتب کی تیاری اور علمی تحقیقات تک رسائی انتہائی آسان 5 بے جا تکرار کا خاتمہ، تشنہ موضوعات تک رسائی اور تحقیق کے معیار میں غیر معمولی بہتری اور ہم آہنگی 6 محدث لائبریری میں 21 جلدوں میں موجود اور تمام مجلات کے تمام شمارہ جات دستیاب 7 دنیا بھر سے استفادہ کے لئے محدث ویب سائٹس میں 'خزینہ مراجع اسلامیہ' Center for Islamic Resources کی نئی ویب سائٹ کی تشکیل جہاں چار مزید فہارس پروجیکٹس سے بھی افادۂ عام ہوگا۔ 8 موسوعہ ہذا کی افادیت، ترتیب، منہج اور طریقہ استعمال پر جامع مقدمہ (نگرانِ علمی کے قلم سے) 9 رؤیتِ ہلال یا عائلی قوانین جیسے ہزاروں موضوعات پر تمام مکاتب فکر کے سینکڑوں مضامین کی فہرست چند لمحوں میں

موسوعہ میں شامل علمی مجلات کے تمام شمارے

■ اشاعۃ السنۃ، امرتسر، 1878ء ■ فکر و نظر، اسلام آباد، 1963ء ■ محدث، دہلی، 1933ء ■ ترجمان القرآن، لاہور، 1932ء

■ محدث، لاہور، 1970ء ■ معارف، اعظم گڑھ، 1916ء ■ رحیق، لاہور، 1956ء ■ برہان، دہلی، 1938ء

■ ترجمان الحدیث، لاہور 1969ء ■ الشریعۃ، گوجرانوالہ، 1989ء ■ رُشد، لاہور 1994ء ■ بینات، کراچی، 1962ء

■ حرمین، جہلم 1991ء ■ الحق، اکوڑہ خٹک، 1965ء ■ ترجمان السنۃ 1989ء ■ میثاق، لاہور، 1959ء

■ مرقع قادیانیت، امرتسر 1907ء ■ منہاج، لاہور، 1983ء ■ وفاق المدارس، ملتان 2000ء ■ فقہ اسلامی، کراچی، 2000ء

ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

محدث
لاہور پاکستان

مدیر اعلیٰ
ڈاکٹر حافظ عبدالرحمن مدنی

مدیر
ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

جلد 51 — اگست 2020ء / محرم الحرام 1442ھ — عدد 03

مجلس مشاورت
مولانا ارشاد الحق اثری ▫ ڈاکٹر محمد حماد لکھوی ▫ ڈاکٹر محمد اسحاق زاہد
▫ ڈاکٹر حافظ انس مدنی ▫ ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی ▫ ڈاکٹر حافظ محمد زبیر

مینجر
محمد اصغر 0305-1600861

فہرست مضامین

فکر و نظر — ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

اسلام آباد میں نئے مندر کی تعمیر کا مسئلہ — 4

فہم حدیث — محمد نعمان فاروقی

ضمنی علاماتِ قیامت — 19

تحقیق و تجزیہ — ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

بین الاقوامی معاہدے اور 'ارضِ مسلم' — 29

کتاب و حکمت — خطاب: شیخ ڈاکٹر احمد عیسیٰ معصراوی حفظہ

حفظِ قرآن کے اُستاد کے اوصاف — 53

یاد رفتگان — ڈاکٹر جواد حیدر

مولانا حافظ صلاح الدین یوسف... پیامِ نبوت کے محافظ!! — 63

زرِ سالانہ =/300 روپے
فی شمارہ =/60 روپے

بیرون ممالک
زرِ سالانہ =/20 ڈالر
فی شمارہ =/4 ڈالر

Monthly Muhaddis
A/c No: 984-8
UBL-Model Town
Bank Squre Market, Lahor

دفتر کا پتہ
99 جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700
042-35866396, 35866476
Email:
Mohaddislhr@gmail.com

Publisher:
Hafiz Abdur Rahman Mad
Printer:
Shirkat Printing Press, Laho

Islamic Research Council

محدث کتاب و سنت کی روشنی میں آزادانہ بحث و تحقیق کا حامی ہے ادارہ کا مضمون نگار حضرات سے کلی اتفاق ضروری نہیں!

اسلام آباد میں نئے مندر کی تعمیر کا مسئلہ

اہل علم و دانش کے موقفوں کا خلاصہ اور تحلیلی تجزیہ

جون ۲۰۲۰ء کے اواخر میں اسلام آباد کے ایچ نائن ر۲ سیکٹر میں چار کنال کے پلاٹ پر 'شری کرشن بھگوان' کے مندر کا سنگِ بنیاد رکھا گیا، جس میں وزارتِ انسانی حقوق کے پارلیمانی سیکرٹری لال مالہی (ایم این اے) مہمانِ خصوصی تھے۔ ۲۰۱۷ء میں اسلام آباد میں دو صد ہندو ملازمین کی عبادت کے لئے 'ہندو پنچایت' نامی تنظیم کو CDA (کیپٹل ڈویلپمنٹ اتھارٹی) کی طرف سے الاٹ کیا گیا تھا۔ جس کے نتیجے میں 'اسلامی جمہوریہ پاکستان' ایسی نظریاتی ریاست کے 'اسلام' کے نام سے 'آباد' کردہ دارالحکومت کے عین قلب میں بت کدے کی تعمیر سے اسلامیانِ پاکستان کے دینی جذبات بری طرح متاثر ہوئے، اور اسلام آباد سمیت ملک بھر میں مظاہروں اور احتجاجی بیانات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

عوامی جذبات میں شدت کی بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ اس مندر کی تعمیر سے ۱۰ ماہ قبل حکومت نے کرتارپور میں سکھوں کے لئے بہت بڑے گوردوارے کی توسیع کی تھی۔ ماضی میں چار ایکڑ پر محیط اس گوردوارے کو ۸۰۰ ایکڑ پر توسیع دے کر، دنیا کا سب سے بڑا گوردوارہ نہ صرف قائم کیا بلکہ پاکستانی حکومت نے اس کے لئے راہداری بھی تعمیر کی، اور قومی خزانے سے اس پر ڈیڑھ ارب روپے کی خطیر رقم بھی صرف کی۔ اسی طرح حکومت نے کچھ عرصہ سے ننکانہ میں بابا گورونانک یونیورسٹی کے منصوبے کو بھی فعال کرنے کی کوششیں شروع کر رکھی ہیں، اس کے علاوہ ملک کی دوسری یونیورسٹیوں میں 'بابا گورونانک ریسرچ چیئرز' بھی قائم کی گئی ہیں۔

۲۶ر جون ۲۰۲۰ء کے اخبارات کے مطابق وزیر اعظم عمران خان سے پی ٹی آئی کے چار غیر مسلم ارکانِ اسمبلی نے وفاقی وزیر مذہبی امور نور الحق قادری کے ساتھ مل کر ملاقات کی جس میں وزیر اعظم نے مندر کی تعمیر کے لئے فوری فنڈز جاری کرنے کی ہدایت کی۔

جیو نیوز پر یکم جولائی ۲۰۲۰ء کو چلنے والی ویڈیو میں پنجاب اسمبلی کے سپیکر چوہدری پرویز الٰہی نے وفاقی دارالحکومت اسلام آباد میں مندر کی تعمیر کو اسلام کے خلاف قرار دیتے ہوئے کہا کہ

"اسلام آباد میں نیا مندر بنانا نہ صرف اسلام کی روح کے خلاف ہے بلکہ یہ ریاستِ مدینہ کی بھی توہین

ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر حضور نبی کریم ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیت اللہ میں موجود ۳۶۰ بتوں کو توڑا اور فرمایا کہ حق آگیا اور باطل مٹ گیا۔“

اس اہم دینی مسئلہ پر علمائے کرام نے عوام کی رہنمائی کا شرعی فریضہ بخوبی انجام دیا، چنانچہ امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث، اسلام آباد حافظ مقصود احمد حفظہ اللہ کی دعوت پر یکم جولائی ۲۰۲۰ء کو 'نیشنل پریس کلب' میں جمعیت علمائے اسلام، جماعت اسلامی اور جماعت اہل سنت کی مشترکہ پریس کانفرنس کی گئی۔ اس کے ساتھ دیگر اہل علم حضرات نے بھی ذرائع ابلاغ اور سوشل میڈیا پر عوام کے ساتھ آواز بلند کرنا شروع کر دی۔ اسلام آباد کے تمام قومی اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ

”نیشنل پریس کلب میں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے علما نے کہا ہے کہ ہم اسلام آباد میں کسی بھی صورت مندر تعمیر نہیں کرنے دیں گے، کیونکہ یہ اسلام کی بنیادی تعلیمات اور نظریۂ پاکستان کے منافی ہے۔ چاروں ائمہ کرام: امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور تمام ائمہ محدثین وفقہائے اُمت رحمہم اللہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اسلامی مملکت میں بتوں کے عبادت خانے کی تعمیر ناجائز ہے۔ ان خیالات کا اظہار مرکزی جمعیت اہل حدیث، اسلام آباد کے امیر حافظ مقصود احمد اور تمام مسالک کے علمائے کرام نے کیا۔ اس موقع پر جے یو آئی (ف) کے امیر مولانا عبد المجید ہزاروی، مفتی محمد عبد اللہ، محمد کاشف چوہدری، مفتی عبد السلام، مولانا حماد اللہ، مولانا محمد ادریس، و دیگر موجود تھے۔ علمائے کرام نے کہا کہ ”اسلامی تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی کہ نبی کریم ﷺ، آپ کے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم، یا ان کے بعد اسلامی ادوار میں کسی اسلامی حکومت نے شرک کا مرکز قائم کیا ہو۔ مسلمانوں کے ٹیکس سے شرک کا اڈہ تعمیر ہوا تو قبر وحشر میں ہم سے پوچھا جائے گا۔ اگر حکومت کسی وجہ سے مندر تعمیر کرنا ہی چاہتی ہے تو پاکستان کے دینی مسالک کے جید مفتیانِ کرام کے سامنے اس مسئلے کو رکھے اور ان سے شرعی رائے لے۔ وگرنہ حکومت کو شدید ردِّ عمل کا سامنا کرنا ہوگا اور ۲۲ کروڑ اسلامیانِ پاکستان کی دل آزاری ہوگی۔ اُنہوں نے کہا کہ اسلام آباد میں ووٹر لسٹ کے مطابق صرف ۱۸۶ ہندو ہیں، اور ان کے لئے قریبی گاؤں سید پور میں پہلے سے ایک مندر موجود ہے۔“[1]

چیئرمین 'رؤیت ہلال کمیٹی' مفتی منیب الرحمٰن صاحب نے ایک ویڈیو بیان میں یہ وضاحت کی:

---

۱ روزنامہ جنگ، راولپنڈی؛ روزنامہ خبریں، اسلام آباد؛ روزنامہ دنیا، اسلام آباد: جمعرات، ۲ر جولائی ۲۰۲۰ء

”ریاستِ مدینہ ہمارا نعرہ ہو اور بیت المال سے بت کدے تعمیر کیے جائیں، اس کا کسی درجے میں کوئی تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اقلیتوں کے حقوق کے ہم دعویدار ہیں، لیکن اقلیتوں کی اصطلاح بھی مغالطہ آمیز ہے۔ 'مسلم پاکستانی' اور 'نان مسلم پاکستانی' کے الفاظ زیادہ بہتر ہیں، کیونکہ اقلیت ایک متعلقہ Relative اصطلاح ہے۔ پاکستان میں ہندو اقلیت ہیں تو ہندوستان میں ۲۰ کروڑ مسلمان اقلیت میں ہیں۔ میں تو 'غیر مسلم پاکستانیوں' کے حقوق کے احترام کی بات کرتا ہوں جس کے لئے مسلمانوں نے معاہدے بھی کئے، اور بیت المقدس کے باشندوں سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا معاہدہ بڑا مشہور ہے۔

غیر مسلم اپنی زمین خرید کر، اپنا معبد بناسکتے ہیں لیکن حکومت آگے بڑھ کر بت کدے بنائے تو ریاستِ مدینہ کا نام لینے والی یا کسی بھی درجے کی اسلامی ریاست میں اس کی کوئی مثال ملتی ہے، نہ اس کا کوئی تصور کیا جانا چاہیے۔ اگر یہاں سو مندر بھی بنادے جائیں تو بھی ہنود ویہود حکومت سے راضی نہیں ہوں گے، اور وہ حکومت سے مزید جھکنے کا مطالبہ کرتے رہیں گے۔“[1]

اسی طرح مولانا مفتی محمد تقی عثمانی نے ارشاد فرمایا کہ

”اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کو حق ہے کہ جہاں ان کی آبادی کے لئے ضروری ہو، وہ اپنی عبادت گاہ برقرار رکھیں اور پاکستان جیسے ملک میں جو صلح سے بنا ہے، وہاں ضرورت کے مطابق نئی عبادت گاہ بناسکتے ہیں۔ لیکن حکومت کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے خرچ پر مندر تعمیر کرے، خاص طور پر ایسی جگہ جہاں ہندو برادری کی آبادی بہت کم ہو۔“[2]

حکومت نے عوامی غیظ وغضب کو محسوس کرتے ہوئے، اسلامی نظریاتی کونسل سے اس موضوع پر شرعی رہنمائی کا مطالبہ کر دیا۔ اور انہی دنوں اسلام آباد ہائیکورٹ میں مندر کی تعمیر رکوانے کے لئے چوہدری تنویر کی طرف سے درخواست بھی دائر کر دی گئی۔ چند ساعتوں کے بعد جسٹس عامر فاروق نے یہ فیصلہ سنایا کہ

”اگرچہ اسلام آباد کے ماسٹر پلان میں مندر کے لیے جگہ مختص نہیں کی گئی تھی لیکن اسلام آباد کے ترقیاتی ادارے یعنی سی ڈی اے کا چیئرمین اور سی ڈی اے کے بورڈ ممبر لے آؤٹ پلان کے تحت بھی وفاقی دارالحکومت کے کسی سیکٹر میں پلاٹ الاٹ کرنے کے مجاز ہیں۔

تاہم مندر کا نقشہ جمع کرانے کے حوالے سے قواعد وضوابط کی خلاف ورزی کی گئی، لہٰذا قانون پر عمل

1 ویڈیو مکالمہ، ٹی وی پروگرام حرفِ راز (نیو نیوز) از اوریا مقبول جان: ۴؍ جولائی ۲۰۲۰ء

2 https://urdu.geo.tv/latest/225636

درآمد تک مندر کی تعمیر رُکی رہے گی۔

عدالت نے کہا کہ چونکہ مندر کی تعمیر کی فنڈنگ کا معاملہ اسلامی نظریاتی کونسل کو بھی بھیج دیا گیا ہے اور اب تک کوئی فنڈ جاری نہیں کیا گیا، اس لیے عوام کا پیسہ ضائع ہونے کا کوئی معاملہ نہیں اُٹھتا۔

عدالت نے مندر کی تعمیر کے خلاف کوئی حکم جاری نہیں کیا اور درخواست گزار کو متعلقہ فورم سے رجوع کرنے کی ہدایت کرتے ہوئے تینوں مماثل درخواستیں نمٹادیں۔''[1]

عدالتِ عالیہ کے اس فیصلے پر فوری ردّ عمل دیتے ہوئے 'ایمنسٹی انٹرنیشنل' نے شدید احتجاج کیا:

''اسلام آباد میں مندر کی تعمیر روکنا متعصبانہ اور غیر ذمے دارانہ عمل ہے۔ اسلام آباد میں مندر کی تعمیر روکنے کا فیصلہ فوری واپس لیا جائے، پاکستان میں ہر ایک کو مذہبی آزادی یا عقیدے کا حق ہے۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل نے مزید کہا کہ مذہبی آزادی یا عقیدے کے حق کی آئین پاکستان میں ضمانت دی گئی ہے، پاکستان کو مذہبی آزادی کے حق کی ضمانت دینا عالمی ذمے داری بھی ہے۔''[2]

تنظیم اسلامی، پاکستان نے معروف دینی مراکز سے فتاویٰ لے کر دینی موقف کو منظم کرنے کی جدوجہد کی، ۲؍جولائی ۲۰۲۰ء کو تمام مسالک کی مشترکہ کونسل 'ملی مجلس شرعی' کے اجلاس میں بھی یہ مسئلہ پیش ہوا، جہاں راقم کو یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ اس اہم مسئلہ پر شرعی دلائل اور فقہاے کرام کے اقوال سے مزین جامع ومدلل اسلامی موقف کو تحریر کیا جائے، جسے بعد میں ملی مجلس شرعی کی طرف سے عام کردیا جائے۔

بظاہر اسلام آباد ہائیکورٹ کے فیصلے سے مندر کی تعمیر کا قضیہ فوری طور پر رک گیا، لیکن اس فیصلے کے دوروز بعد ۹؍جولائی کو ہائیکورٹ میں حافظ ابتسام الٰہی ظہیر اور محمد یونس قریشی وغیرہ کی طرف سے ایک اور درخواست دائر کردی گئی جس میں یہ مطالبہ کیا گیا کہ شہری قوانین کے تحت زمین کی الاٹمنٹ کینسل کرکے اور مندر کی تعمیر کی ممانعت کے علاوہ مستقل طور پر شرعی احکام کے تحت اسلام آباد جیسے شہر میں نئے مندر کو تعمیر کرنا ممنوع قرار دیا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ، اسلام آباد میں آبادکاری ۱۹۶۲ء کے بعد سے قائم گرجاگھروں کی تعمیر کو بھی غیر شرعی قرار دیتے ہوئے، عدالتِ عالیہ سے ان کو ختم کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔

مندر کی تعمیر کے تین پہلو

اسلام آباد میں نئے مندر کی تعمیر کے تین پہلو ہیں:

---

۱ ڈان نیوز: ۸؍جولائی ۲۰۲۰ء

۲ باغی ٹی وی: ۷؍جولائی ۲۰۲۰ء

① اگر مندر کو کسی ایسی جگہ پر تعمیر کرنے کی کوشش کی جائے جو حکومت یا کسی دوسرے فرد کی ملکیت ہو، یا اس کی تعمیر سے آمد ورفت یا رہائشیوں کے حقوق میں خلل پڑتا ہو، یا اس کے نقشے اور تعمیری منصوبے کو حکومت کے پاس پیشگی منظوری کے لئے پیش نہ کیا گیا ہو، یا کسی علاقے میں اس کی تعمیر کے لئے درکار رہائشیوں کی تعداد پوری نہ ہو وغیرہ وغیرہ، تو ایسے شہری قوانین کو نظر انداز کرنے کی بنا پر، کسی ناجائز تعمیر کو روک دینے میں کوئی دوسری رائے نہیں ہے۔ یہ سارے تقاضے جب کسی مسجد کی تعمیر کے لئے پیش نظر رکھے جاتے ہیں، تو کسی اور مذہب کی عبادت گاہ کے لئے بھی ان کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ عدالتِ عالیہ نے اسی بنیاد پر مندر کی تعمیر کو اس وقت تک ملتوی کر دیا ہے جب تک اس کا نقشہ مجاز اتھارٹی سے منظور نہیں کروالیا جاتا۔

② نئے مندر کی تعمیر پر اعتراض کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ حکومت نے پاکستانی مسلمانوں کے ٹیکسوں سے مندر کی تعمیر کے لئے گرانٹ عطا کی ہے۔ اگر حکومت یہ گرانٹ مندر اور گوردوارے کی تعمیر کے لئے تو دے لیکن مساجد کو نظر انداز کر دے تو یہ بھی وزنی اعتراض ہے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اسلام کو فروغ دینے کا حلف اُٹھانے والے حکام مساجد ومدارس کو تو قومی خزانے سے تعمیر نہیں کرتے، لیکن غیر مسلموں کی کفریہ دعوت کے فروغ کے لیے قومی خزانے سے کروڑوں روپے کا اعلان کرنے سے نہیں ہچکچاتے جو آئینی تقاضوں اور مسلم روایات سے انحراف ہے۔ عدالت میں پیش کردہ حکومتی موقف کے مطابق ابھی صرف اعلان ہی کیا گیا ہے، جبکہ حکومتی خزانے سے اس قسم کی کوئی گرانٹ ابھی تک جاری نہیں کی گئی۔

عدالتِ عالیہ نے جس بنیاد پر مندر کی تعمیر روکنے کا حکم دیا ہے، وہ خالص انتظامی بنیاد ہے جو نہایت کمزور ہے۔ اس سے مندر کی تعمیر رکنے کی بجائے عوامی جوش ٹھنڈا ہونے تک اس میں تاخیر ہو جائے گی۔ جہاں تک حکومتی گرانٹ کی ممانعت ہے تو یہ بھی کمزور بات ہے کیونکہ کوئی مالدار ہندو شخص یا انسانی حقوق کا محافظ کوئی بھی ادارہ بیرونی مدد سے اس کی تعمیر کرادے تو یہ رکاوٹ بھی ختم ہو جائے گی۔

③ مسئلہ کا تیسرا اور حقیقی پہلو خالصتاً شرعی نوعیت کا ہے کہ اسلامی مملکت میں، جہاں غیر مسلموں کو بہت سے حقوق حاصل ہیں، وہاں بہر حال اُنہیں یہ حق حاصل نہیں کہ وہ مسلمانوں کو اپنے مذہب کی تلقین کریں۔ ہر ریاست کسی بنیادی نظریہ پر قائم ہوتی ہے، اور وہ اس کے خلاف اٹھنے والی آواز کو قبول نہیں کرتی۔ مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

> ”ہمارے پڑوس میں کوئی شخص دو قومی نظریہ پر ایمان رکھ کر سانس نہیں لے سکتا۔ روس میں کمیونزم کے بنیادی اُصولوں کے منکرین کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔... ریاست ان کو اس بات کی اجازت

نہیں دے گی کہ وہ ان نظریات کو ایک نظامِ زندگی کی حیثیت سے برپا اور ان کو اسلامی حکومت کے بنیادی اصولوں پر بالفعل غالب کرنے کی کوشش کریں۔''[1]

جب اسلامی حکومت کا بنیادی فریضہ، توحید ورسالت کو قائم کرکے، اسے فروغ دینا ہے۔ یہ ملک کی نظریاتی اساس ہے، اور اسی مرکزی نکتہ کو ہمارے دستور نے حاکمیتِ الٰہیہ کی اصطلاح سے بیان کرکے، سرنامہ میں درج کردیا ہے اور دستور کے دسیوں آرٹیکلز نے اس بنیادی مقصد کے تحفظ اور فروغ کے لئے قانون سازی کررکھی ہے، تو ایسے حالات میں پاکستانی حکومت اپنے بنیادی فریضے سے انحراف نہیں کرسکتی۔

شرعی احکام[2] دائمی نوعیت رکھتے ہیں اور اگر اسلام آباد یا کسی اور شہر میں شہری قوانین کے تقاضے پورے کر بھی لئے جائیں تو اس بنیاد پر دیگر مذاہب کی نئی عبادت گاہوں کی تعمیر کو روکا جاسکتا ہے۔ اس مسئلہ میں شدت اس لحاظ سے بھی ہے کہ اسلام آباد ایک ایسا شہر ہے جو قیامِ پاکستان کے ۱۵ سال بعد، حکومتی مقاصد کے تحت بسایا گیا ہے اور ایسے شہر جنہیں مسلمانوں نے ہی بسایا ہو، اور وہاں پہلے سے غیر مسلموں کی کوئی آبادی نہ ہو، تو ان شہروں میں کفریہ عبادت گاہوں کی تعمیر سرے سے ممنوع ہے، جیسا کہ امام عینی حنفی (۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:

مَا مَصَّرَهُ الْمُسْلِمُونَ مِنْهَا، كَالْكُوفَةِ وَالْبَصْرَةِ وَبَغْدَادَ وَوَاسِطٍ، فَلَا يَجُوزُ فِيهَا إِحْدَاثُ بِيعَةٍ، وَلَا كَنِيسَةٍ وَلَا مُجْتَمَعٍ لِصَلَوَاتِهِمْ وَلَا صَوْمَعَةٍ بِإِجْمَاعِ أَهْلِ الْعِلْمِ. وَلَا يَمْلِكُونَ فِيهِ شُرْبَ الْخَمْرِ وَاتِّخَاذَ الْخِنْزِيرِ وَضَرْبَ النَّاقُوسِ.[3]

''جن شہروں کو مسلمانوں نے آباد کیا ہو، جیسے کوفہ، بصرہ، بغداد اور واسط ہوئے۔ ان میں نیا گرجا یا کنیسہ بنانا جائز نہیں۔ اسی طرح کفار کی انفرادی اور اجتماعی عبادت گاہ نہیں بنائی جائے گی، اس پر اہل علم کا اجماع ہے۔ ایسے شہر میں شراب پینے، خنزیر رکھنے اور ناقوس بجانے کی اجازت بھی نہیں ہوگی۔''

اور شیخ الاسلام ابو العباس احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ (م۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:

وَقَدْ اتَّفَقَ الْمُسْلِمُونَ عَلَى أَنَّ مَا بَنَاهُ الْمُسْلِمُونَ مِنَ الْمَدَائِنِ لَمْ يَكُنْ لِأَهْلِ الذِّمَّةِ أَنْ يُحْدِثُوا فِيهَا كَنِيسَةً؛ مِثْلَ مَا فَتَحَهُ الْمُسْلِمُونَ صُلْحًا وَأَبْقَوْا لَهُمْ كَنَائِسَهُمُ الْقَدِيمَةَ.[4]

---

۱ 'اسلامی ریاست کے اُصول ومبادی' از مولانا امین احسن اصلاحی: ص ۲۱۵، ۲۱۴

۲ اس موضوع پر راقم کے قلم سے قرآن وسنت کے مفصل اور براہِ راست دلائل: ہفت روزہ 'الاعتصام' لاہور کے شمارہ ۱۰ ستمبر ۲۰۲۰ء وما بعد میں ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں جو بالاقساط شائع ہو رہے ہیں۔

۳ البناية شرح الهداية للعيني: ۲۵۶/۷، البحر الرّائق لابن نجيم: ۱۲۱/۵

۴ مجموع فتاوی ابن تیمیہ: ۲۸/ ۶۳۵، ۶۳۴

”مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ جن شہروں کو مسلمانوں نے آباد کیا ہو تو اہل ذمہ کو اس میں اسی طرح نیا گرجا بنانے کی اجازت نہیں ہے، جس طرح کسی علاقے کو مسلمانوں نے صلح سے فتح کر کے صرف سابقہ گرجوں کو باقی رہنے کی اجازت دی ہو۔“

شرعی مباحثہ اور اس کی تحلیل

راقم اسلام آباد کے اس واقعہ سے چند ماہ قبل کرتار پور گوردوارے کے موقع پر اس موضوع پر تفصیلی تحقیق کر چکا تھا، جس کا پہلا حصہ محدث کے شمارہ نومبر ۲۰۱۹ء میں شائع ہوا۔ راقم نے اپنی تحقیق میں جہاں یہ موقف اپنایا کہ نبی کریم ﷺ نے خود مفتوحہ علاقوں میں بت کدے ڈھا دیے، مکہ مکرمہ میں بیت اللہ کو ۳۶۰ بتوں سے پاک کیا اور یمن میں خود ساختہ بیت اللہ ذي الخلصة کو مسمار کرنے کے لئے اپنے صحابی سیدنا جریر بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ پھر عرب میں کئی صنم کدے منہدم کرنے کے لئے صحابہ کرام: سیدنا خالد بن ولید، سعد بن زید، عمرو بن العاص اور سیدنا علی رضی اللہ عنہم کی ذمہ داریاں لگائی جاتی رہیں۔ اہل طائف مسلمان ہوئے تو اُنہوں نے قبول اسلام کے لیے چند ایک شرائط رکھیں۔ ان میں ایک شرط یہ تھی کہ اُن کے بت لَات کو تین سال تک کے لیے چھوڑ دیا جائے لیکن آپ نے تسلیم[1] نہ کیا، پھر اُنہوں نے دو سال کی مہلت مانگی مگر آپ نہ مانے اور لات کو منہدم[2] کر دیا گیا۔ جس سے علم ہوتا ہے کہ نہ صرف مفتوحہ علاقوں میں بلکہ صلح سے حاصل ہونے والی سرزمین میں بھی کفر و شرک کے عبادت خانوں کو لازماً برقرار رکھنا سنتِ نبوی نہیں۔

اس شرعی موقف میں قرآن وسنت پر مبنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دو اجماعات کو بھی مرکزی حیثیت دی گئی، جن میں پہلا اجماع ۱۵ھ میں سیدنا عمرؓ نے بلادِ شام میں بسنے والے عیسائیوں پر ۲۲ کے قریب شرطیں عائد کرنے کے وقت منعقد کیا، جبکہ دوسرا اجماع سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ کے اس موقف پر بھی ہوا تھا جو اُنہوں نے مسلم علاقوں میں غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کے بارے میں اختیار کیا تھا۔ ان کے موقف پر بھی صحابہ کرام

---

۱ وكان فيما سألوه: أن يدع لهم اللات لا يهدمها ثلاث سنوات، فأبى. فما برحوا يسألونه سنة، فيأبى. حتى سألوه شهرًا واحدا. فأبى عليهم أن يدعها شيئا مسمى. فأبى إلا أن يبعث أبا سفيان بن حرب والمغيرة بن شعبة يهدمانها. (مختصر سیرۃ الرسول از شیخ محمد بن عبد الوہاب: ص۲۱۸)

۲ اہل طائف نے قبیلہ ثقیف کے زیر نگرانی بیت الرَّبَّة کے نام سے لات کا معبد خانہ قائم کر رکھا تھا، یہاں عبادت کے لئے آنے والے سونے چاندی کے بیش قیمت نذرانے دیا کرتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد نبی کریم ﷺ نے سیدنا مغیرۃ بن شعبہ اور سیدنا ابو سفیان رضی اللہ عنہم کو اس کفریہ معبد خانے کو ڈھانے بھیجا، جسے ۲۳ رمضان ۹ھ کو منہدم کر دیا گیا۔

میں اجماع[1] ہو گیا اور بعد میں ان دونوں اجماعوں کو محدثین کرام اور فقہاے عظام رحمہم اللہ نے ہر دور میں اختیار کیا اور یہی موقف مسلم اُمہ میں چودہ صدیوں سے، آج تک جاری وساری ہے۔

اس موقف کی علمی تفصیلات ایک مستقل کتاب میں راقم نے جمع کر دی ہیں جن میں ۱۵ شرعی دلائل کے ساتھ، شریعت کے آٹھ عمومی دلائل کو بھی پیش کیا گیا ہے۔ نیز اس مسئلہ پر اصل مراجع سے فقہاے کرام کے اقوال کی بھی تفصیلی وضاحت کر دی گئی ہے۔ مزید برآں پاکستان کے دینی مراکز ومدارس کے بارہ فتاویٰ جات کو بھی پیش کیا گیا ہے۔

اس تفصیلی تحقیق کی تیاری کے دوران مجھے پاکستانی اہل علم کے مختلف موقفوں کو دیکھنے، سمجھنے اور ان کی وضاحت کرنے کا موقع ملا، جس کا مختصر تحلیلی تجزیہ حسب ذیل ہے کہ

① شہری قوانین کی پاسداری پر علماے کرام سمیت کسی بھی ذی شعور شخص میں کوئی اختلاف نہیں، کہ مندر ہو یا مسجد، اس کے لئے زمین کی ملکیت درست اور اس کا نقشہ وغیرہ منظور شدہ ہونا چاہیے۔

② اس بارے میں بھی علماے کرام میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ غیر مسلموں کی عبادت گاہ کو مسلم حکومت کو قومی خزانے سے گرانٹ نہیں دینی چاہیے، کیونکہ یہ گناہ میں تعاون کے طور پر ناجائز[2] ہے۔

تاہم بعض دین سے لاعلم لوگوں کا خیال ہے کہ جب وہ ٹیکس دیتے ہیں تو ان کو بھی قومی خزانے سے حصہ ملنا چاہیے۔ اسی اُصول کی بنا پر CDA نے جہاں مساجد کے لئے ہر علاقے میں بلا معاوضہ پلاٹ فراہم کئے ہیں، وہاں دیگر مذاہب کو بھی قیمتی اراضی الاٹ کی گئی ہے۔ راقم نے اپنی کتاب میں اس اعتراض کی شافی وضاحت کر دی ہے کہ بلادِ اسلامیہ میں غیر مسلموں کو بے شمار مذہبی حقوق حاصل ہیں لیکن وہ مسلمانوں کو اپنے غلط عقائد کی دعوت نہیں دے سکتے۔ چنانچہ غیر مسلموں کا ٹیکس بھی ان جائز شرعی مصارف پر ہی استعمال کیا جا سکتا ہے جس کی اسلامی شریعت نے وضاحت کر دی ہے۔ جیسا کہ وہ امن وامان اور تحفظ

---

١ امام سبکی شافعی لکھتے ہیں: "فقد أخذ العلماء بقول ابن عباس هذا وجعلوه مع قول عمر وسكوت بقية الصحابة إجماعًا." (فتاویٰ سبکی: ۲/ ۳۹۲ اور ۴۰۵) "علماے کرام سیدنا ابن عباسؓ کے اس موقف پر متفق ہیں اور انہوں نے سیدنا عمر کی شروطِ عمریہ کو اس کے ساتھ ملا لیا ہے اور اس پر باقی صحابہ کرام کا سکوت اجماع قرار پایا ہے۔"

٢ مولانا عبید اللہ مبارکپوری لکھتے ہیں: ہندوؤں کے مذہبی اُمور عموماً شرکیہ وکفریہ ہوتے ہیں۔ پس ان کے کسی مذہبی کام میں چندہ وغیرہ سے امداد کرنا جائز نہیں۔ مندر کی تعمیر میں چندہ سے امداد کرنا تو شرک وکفر اور بت پرستی کی صراحۃً اعانت وحمایت ہے جو قطعاً حرام ہے۔ ارشادِ باری ہے: ﴿وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ۪ وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ﴾ (المائدۃ:۲) (دیکھیے: ماہنامہ 'محدث' دہلی: ج۸/ ص۴)

ودفاع کے ساتھ درجنوں شہری سہولیات سے اسی ٹیکس کی بنا پر ہی استفادہ کرتے ہیں۔ اور کوئی پاکستانی شہری ٹیکس کے نام پر حکومت کے مسلمہ نظریات کے خلاف ناجائز اقدامات کا جواز اور اس بنا پر گرانٹ کا استحقاق حاصل نہیں کرسکتا۔ غرض غیر مسلموں کو شریعتِ اسلامیہ کی تعلیمات کے اندر ہی مذہبی حقوق دیے جائیں گے، جسے دستور پاکستان پر متعدد آرٹیکلز کے ذریعے نگران کی حیثیت حاصل ہے۔

☜ قابل تعجب امر یہ ہے کہ ناجائز کاموں میں حکومت کے تعاون کو غلط کہنے والے علمائے کرام نے کرتارپور کے مسئلہ پر حکومت کے اس ڈیڑھ ارب روپے کے اخراجات پر کڑی تنقید نہیں کی، جسے وزارتِ اوقاف کے اس فنڈ سے صرف کیا گیا جہاں بعض جائیداووں کو اللہ تعالیٰ کے لئے وقف کیا جاتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کرتارپور گوردوارے کا یہ پہلو اس طرح عوام اور علما میں پھیلا نہ ہو، وگرنہ بعید نہیں کہ علمائے کرام اس سلسلے میں بھی حکومتی تعاون کو ناجائز ہی قرار دیتے۔

☜ بعض لوگ حکومتی گرانٹ کو صرف مزید مالی رقم عطا کرنے تک محدود کردیتے ہیں۔ حالانکہ کسی عمارت کی تعمیر میں سب سے بنیادی حیثیت اور مالیت اُس اراضی کی ہوتی ہے جو اوپر تعمیر ہونے والی عمارت کی مالیت سے کئی گنا زیادہ قیمتی ہوتی ہے۔ چنانچہ اسلام آباد مندر کے بارے میں حکومت کا کسی گرانٹ سے انکار اور عدالت کو اس کو قبول کرلینا، اس بنا پر درست نہیں کیونکہ حکومت ایچ نائن جیسے مرکزی علاقے میں پہلے ہی چار کنال کا جو قیمتی پلاٹ 'ہندو پنچایت' کے نام کرچکی ہے، اس کی مالیت ۳۰ کروڑ روپے سے کم نہیں ہے۔ ایسے ہی ۸۰۰ ایکڑ اراضی کو سکھوں کے حوالے کردینا، دراصل اربوں روپے مالیت کی قیمتی اراضی کی حقیقی گرانٹ اُن کو دے دینا ہے۔ اور جس طرح مالی تعاون دینا حرام ہے، اسی طرح یہ بھاری بھرکم مالی اور حکومتی مدد بھی گناہ میں تعاون کی بنا پر سراسر ناجائز ہے۔

④ پاکستان میں مندر کی تعمیر کے مسئلہ کی شرعی حیثیت پر دین سے لاتعلق طبقہ اور علمائے کرام کی رائے میں واضح اختلاف ہے۔ لبرل طبقہ کی نظر میں پاکستان کے تمام شہری برابر ہیں، اور دستور میں جب ان کو برابر کے مذہبی حقوق دیے گئے ہیں تو مذہب سے قطع نظر، ہندوؤں کو بھی ہر اس مقام پر بت کدہ تعمیر کرنے کا حق ہونا چاہیے جہاں مسلمان اپنی مسجد تعمیر کرسکتے ہیں۔ اور ان کے خیال میں مذہب کی بنا پر کوئی امتیاز نہیں ہونا چاہیے، جیسا کہ اقوام متحدہ کا مغربی نظریات کو پروان چڑھانے والا چارٹر بھی یہی قرار[1] دیتا ہے۔ ان کا یہ

---

1 اقوام متحدہ کے 'چارٹر برائے ریاستی حقوق وفرائض ۱۹۴۹ء' Declaration on Rights and Duties of States کے آرٹیکل ۶ میں ہے: Every State has the duty to treat all persons under its

موقف بھی ہے کہ دنیا کے تمام ممالک میں جب مسلمان اپنی عبادت گاہیں تعمیر کر سکتے ہیں تو پھر مسلمانوں کو اپنے ملک میں بھی غیر مسلموں کو اس امر کی اجازت دینی چاہیے۔ لبرل طبقہ کے اس نقطہ نظر کی ترجمانی جناب جاوید احمد غامدی کرتے ہیں کہ پاکستان کا اسلامی ریاست ہونا ہی دراصل ایک ایسا دعویٰ ہے جو محل نظر ہے۔ درحقیقت پاکستان ویسی ہی ایک قومی ریاست ہے جیسا کہ اقوام متحدہ کے تحت باقی دو صد سے زیادہ ریاستیں ہیں، اور قومی یا وطنی ریاست National State ہونے کے ناطے پاکستان میں مذہب سے قطع نظر تمام شہریوں کے حقوق برابر ہیں۔

دوسری طرف اسلامیانِ پاکستان کا موقف ہے کہ یہ بجا کہ پاکستان اس وقت وجود میں آیا جب اقوام متحدہ پوری دنیا پر زبردست اثرات رکھتا تھا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ پاکستانی دستور میں قرار دادِ مقاصد اور دسیوں آرٹیکلز کے ذریعے ہم نے 'قومی ریاست' کی بجائے 'نظریاتی حکومت' کی طرف مسلسل پیش قدمی شروع کر رکھی ہے اور بانی پاکستان نے بھی پاکستان کو ایک جدید اسلامی مملکت کے طور پر ہی قائم کیا تھا۔ پاکستان میں اسلامی نظریاتی کونسل، دفاقی شرعی عدالت، اور دسیوں اسلامی قوانین اسی منزل کی نشاندہی کرتے ہیں جس تک پاکستان پہنچنا چاہتا ہے۔ جب دستور پاکستان کے آرٹیکل نمبر ۲ کا واضح طور پر دعویٰ ایک اسلامی ریاست ہونے کا ہے اور یہاں کے اراکین اسمبلی کے لئے دستور کے آرٹیکل ۶۲ کے مطابق شریعت کا خاطر خواہ علم ہونا، اور امین وصادق جیسا باعمل مسلمان ہونا قانوناً ضروری ہے، یہاں کے حکام آرٹیکل نمبر ۴۲ کی رو سے، اسلامی نظریہ کے فروغ کا حلف اُٹھاتے ہیں اور حکومت آرٹیکل نمبر ۳۱ کے ذریعے، زندگی کے ہر میدان میں اسلام احکام کو پروان چڑھانے کا وعدہ کرتی ہے۔ تو ایسے حالات میں پاکستان کو ایک 'مغربی قومی ریاست' قرار دینے کے بجائے، اس کے اسلامی دعوے کی روشنی میں ہی دیکھنا چاہیے جو باضابطہ طور پر دستور میں جا بجا موجود ہے۔ اسی عظیم مقصد کے حصول کے لئے علمائے کرام مسلسل جدوجہد کر رہے ہیں اور یہی مسلمانانِ پاکستان کے دل

---

jurisdiction with respect for human rights and fundamental freedoms, without distinction as to race, sex, language, or religion. ''ہر ریاست کا فرض ہے کہ نسل، صنف، زبان اور مذہب کا امتیاز کئے بغیر اپنے دائرہ حکومت میں موجود شہریوں کے انسانی حقوق اور بنیادی آزادی کا تحفظ کرے۔''
مغرب کے طے کردہ انسانی حقوق اور بنیادی آزادی میں اپنے من پسند مذہب پر جینے کی آزادی دینا شامل ہے لیکن اُنہیں سرکاری خزانے سے مذہبی عمارتیں بنا کر دینا ہرگز شامل نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ اقوام متحدہ کے چارٹر پر عمل پیرا کسی غیر مسلم حکومت نے سرکاری خرچ پر مسجد تعمیر نہیں کی۔ اور ایمنسٹی انٹرنیشنل کے سابقہ بیان کو بھی دیکھ لیں کہ وہ غیر مسلموں کے عقیدے کے تحفظ سے آگے مطالبہ نہیں کر سکی۔

کی آواز ہے جس کی ترجمانی ہر اسلامی موضوع پر رائے عامہ سے بخوبی ہوتی ہے، جن میں مندر کی تعمیر کا حالیہ واقعہ بطور مثال پیش کیا جاسکتا ہے کہ پاکستانی مسلمان، (وطنی ریاست کی بجائے) ایک اسلامی مملکت کے ناطے ہی حکومت سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ یہاں بت کدہ تعمیر نہیں ہونا چاہیے۔

☜ مساوی مذہبی حقوق کے مسئلہ کی دستوری وضاحت پر راقم کا مستقل مضمون بھی قابل مطالعہ ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دستور پاکستان کا مساوی مذہبی حقوق والا آرٹیکل نمبر ۲۰ مطلق نہیں بلکہ ''قانون، امن عامہ اور اخلاق کے تابع...'' کے دستوری الفاظ نے اسی طرح اس آرٹیکل کو مقید و محدود کر رکھا ہے جیسے آرٹیکل نمبر ۱۹ میں اظہارِ رائے کے انسانی حق کو ''اسلام کی عظمت و تعلیمات یا پاکستان یا اس کے کسی حصہ کی سالمیت، سلامتی یا دفاع، غیر ممالک کے ساتھ دوستانہ تعلقات، امن عامہ، تہذیب یا اخلاق کے مفاد'' کے دستوری الفاظ سے مقید کر دیا گیا ہے، اور دستور پاکستان میں ایسی اسلامی و تہذیبی شرائط و قیود کی متعدد مثالیں بھی موجود ہیں، کیونکہ پاکستان 'مغربی جمہوریت' کی بجائے اسلام کی نگرانی اور حدود میں جمہوری نظریات پر عمل پیرا ایک مسلم ریاست ہے۔ یاد رہے کہ ماضی میں بھی جب قادیانیوں نے دستور کے اسی آرٹیکل ۲۰ کے تحت ہی اپنے مساوی مذہبی حقوق کا مطالبہ کیا تھا، تو وفاقی شرعی عدالت نے بھی فیصلہ نمبر 17/I of 1984 اور 2/L کے تحت اس آرٹیکل کو مقید قرار دیتے ہوئے قادیانیوں کو مساوی حقوق دینے سے انکار کر دیا تھا۔

④ شرعی پہلو کا ایک اور دائرہ خالص علمائے کرام کے مابین شرعی مباحثہ کا بھی ہے۔ علمائے کرام کی بڑی اکثریت نئے مندر کی تعمیر کو خالص شرعی احکام کے تناظر میں دیکھتے ہوئے، اس کے جواز پر کڑی تنقید کرتی ہے۔ وہ پاکستانی قانون میں پائے جانے والے بعض ابہامات کی وضاحت اور بصورتِ امکان ان کی اصلاح کی دستوری اور قانونی جدوجہد کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ ان کا موقف ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے موقف کے مطابق دیارِ اسلامیہ میں نئے مندر اور گرجے بنانا شرعاً ناجائز ہے۔ آپ کے اس قول پر دورِ صحابہ میں اجماع ہوگیا، اور بعد کے ہر دور میں یہ اجماع جاری و ساری رہا، آپ سے پوچھا گیا:

أَنَّهُ سُئِلَ عَنِ الْعَجَمِ أَلَهُمْ أَنْ يُحْدِثُوا بَيْعَةً أَوْ كَنِيسَةً فِي أَمْصَارِ الْمُسْلِمِينَ؟

فَقَالَ: أَمَّا مِصْرٌ مَصَّرَتْهُ الْعَرَبُ فَلَيْسَ لَهُمْ أَنْ يُحْدِثُوا فِيهِ بِنَاءَ بَيْعَةٍ وَلا كَنِيسَةٍ وَلا يَضْرِبُوا فِيهِ بِنَاقُوسٍ وَلا يُظْهِرُوا فِيهِ خَمْرًا وَلَا يتخذوا فيه خِنْزِيرًا. وَكُلُّ مِصْرٍ كَانَتِ الْعَجَمُ مَصَّرَتْهُ فَفَتَحَهُ اللهُ عَلَى الْعَرَبِ فَنَزَلُوا عَلَى حُكْمِهِمْ فَلِلْعَجَمِ مَا فِي

عَهْدِهِمْ وَعَلَى الْعَرَبِ أَنْ يوفوا لهم بذلك.[1]

"ان سے پوچھا گیا کہ عجمی (کافر) لوگ بلادِ اسلامیہ میں کوئی نیا گرجا یا کنیسہ بنا سکتے ہیں؟ تو آپ نے جواب دیا کہ (۱) جو شہر مسلمانوں نے آباد کئے ہوں، وہاں عجمیوں (کفار) کو کسی معبد کی تعمیر کی اجازت نہیں ہے۔ اور ان میں ناقوس بجانا، شراب و خنزیر کو علانیہ رکھنا ناجائز ہے۔ (۲) اور ہر ایسا شہر جس کو عجمیوں نے آباد کیا تھا، اور عربوں (مسلمانوں) کو اللہ تعالیٰ نے اس پر فتح دے دی اور عربوں نے اُنہیں اپنے زیر نگین کر لیا تو عجمیوں کے حقوق اتنے ہی ہیں جن پر معاہدہ ہو جائے اور عربوں کو چاہیے کہ ان حقوق کو پورا کریں۔"

دوسری طرف معدودے چند علمائے کرام ایسے بھی ہیں جو اُصولی طور پر تو اسی موقف کے قائل ہیں کہ اسلام آباد میں نئے مندر کی تعمیر شرعاً ناجائز ہے۔ تاہم

a. کبھی وہ پاکستان کو عالمی معاہدوں کا پابند قرار دے کر، یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ معاہدے بھی ایک شرعی حقیقت رکھتے ہیں، اور ہمیں ان کا بھی پاس کرنا چاہیے۔ مزید آگے بڑھ کر وہ کہتے ہیں کہ پاکستان کے غیر مسلم، ذمّی نہیں بلکہ معاہد ہیں۔

b. یہی موقف ایک اور اُسلوب میں یوں پیش کیا جاتا ہے کہ پاکستان بزورِ طاقت فتح نہیں ہوا کہ یہاں مسلم حکومت شرعی احکام کی روشنی میں غیر مسلموں کو حقوق دے بلکہ پاکستان صلح اور معاہدہ کے نتیجے میں حاصل ہوا ہے۔ اس بنا پر اس 'ارضِ صلح' کے احکام بزورِ طاقت حاصل ہونے والی زمین سے مختلف ہیں۔

گویا پہلا موقف اَفراد کے لحاظ سے ہے تو دوسرا موقف سرزمین کے حوالے سے ہے۔ اور دونوں موقف دراصل ایک ہی طرزِ فکر کے دو رخ ہیں۔

c. بعض حنفی اہل علم نے فقہ حنفی کے بعض نامکمل جزیئے پیش کر کے یہ قرار دیا ہے کہ مسلمانوں کے شہروں میں پہلے سے آباد غیر مسلموں کو نئے معابد بنانے کی بھی اجازت ہے۔ حالانکہ شیخ ابن تیمیہ کے سابقہ فتویٰ اور حنفی فقہی مراجع کی مکمل عبارات سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔

d. بعض اہل علم نے فقہی مسئلہ کے تعین میں عرف و حالات کو اہمیت دینے کی بات کی ہے۔ حالانکہ

---

1 مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۲۹۸۲، مصنف عبد الرزاق: ۱۰۰۰۲، کتاب الخراج از قاضی ابو یوسف: ص ۱۶۲، مکتبہ ازہریہ، مصر۔ اس سوال کا یہی جواب لفظ بہ لفظ امام احمد بن حنبل سے بھی مروی ہے۔ (احکام اہل الذمہ از ابن قیم: ص ۶۷۴)

عرف وحالات کو شریعت کے مفہوم واطلاق میں پیش نظر تو رکھا جاتا ہے لیکن عرفِ فاسد کو وزن دینے کی بجائے اس کی اصلاح کی جدوجہد کی جاتی ہے۔

e. فقہی عبارات پیش کرتے ہوئے، بعض لوگوں نے مسلم علاقوں میں سرے سے نئے شہروں کی تعمیر کے واضح احکام کو بھی نظر انداز کر دیا ہے، جیسا کہ اسلام آباد میں مندر کی تعمیر کے سلسلے میں یہ نکتہ خاص اہمیت کا حامل ہے۔ پیچھے مذکور دونوں فتاویٰ میں بھی اس کو واضح کیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ اسلام آباد میں نئے مندر کی تعمیر کے مماثل واقعہ ماضی میں بھی پیش آچکا ہے۔ جب سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے زیر قیادت صلح کے نتیجے میں ۲۰ھ میں مصر دیارِ اسلامیہ میں داخل ہوا۔ اس کے تین صدیوں بعد مسلمانوں نے 'قاہرہ' کا مرکزی شہر تعمیر کیا۔ پھر ارضِ صلح والے قاہرہ میں بعض رافضی فاطمی حکام کی آشیر باد سے کئی نئے گرجے تعمیر ہو گئے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے دورِ حکومت میں ایسے تمام گرجوں کو ڈھانے کا حکم دے دیا، اور جب امام ابن تیمیہ سے اس انہدام پر شرعی رائے مانگی گئی تو آپ نے اس کی پرزور تائید کی۔[1]

f. یہاں پر 'ارضِ صلح' کا نام لے کر شرعی موقف کو اُلجھانا بھی مناسب نہیں۔ کیونکہ خیبر، مکہ مکرمہ اور حنین کے ماسوا، سارا جزیرۃ العرب، طائف اور یمن صلح سے ہی فتح ہوئے تھے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے سارے پرانے معبد خانے ڈھا دیے۔ خیبر کے کچھ قلعے بزورِ بازو فتح ہوئے تھے اور باقی علاقے صلح سے لیکن سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تمام یہود کو یہاں سے نکال کر اُن کے معابد منہدم کرا دیے۔

راقم نے اپنی کتاب میں اِن میں سے ہر ہر اعتراض کی شافی اور تفصیلی وضاحت پیش کر دی ہے۔ واضح رہے کہ یہ مذکورہ مواقف جہاں علمی لحاظ سے کمزور ہیں، وہاں پاکستان کے معروف دینی مراکز و مدارس کی تائید سے بھی محروم ہیں اور الحمد للہ پاکستان کے معروف دینی مراکز: جامعہ نعیمیہ، جامعہ اشرفیہ، جامعہ لاہور الاسلامیہ جیسے تینوں مکاتبِ فکر کی مرکزی درسگاہوں کے مفتیانِ گرامی ان مذکورہ شبہات کا شکار ہونے کی بجائے، اسلام آباد میں مندر کی تعمیر کی ممانعت کے واضح اُصولی شرعی موقف پر ہی قائم ہیں۔ اسی طرح ان چند در چند اہل علم ودانش کے ماسوا، برصغیر کے نامور مفتیانِ کرام، اور اُمت کے چودہ صدیوں سے چلے آنے والے فقہاے کرام کے موقف میں بھی کوئی دوسری رائے نہیں پائی جاتی اور وہ قرآن وحدیث کے احکام، رسول اللہ ﷺ کا تعامل اور دو جلیل القدر صحابہ کرام کے موقف اور اس پر خیر القرون سے جاری اجماع کی کھلی اور مسلسل تائید کرتے

1 مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ: ۲۸/ ۶۴۱ (فتویٰ کا مکمل متن محولہ کتاب میں ملاحظہ کریں)

ہیں ،جیسا کہ راقم نے اپنی کتاب میں آخری ادوار میں برصغیر کے مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا رشید احمد لدھیانوی، مولانا احمد رضا خاں بریلوی، سلطنتِ مغلیہ کے فتاویٰ عالمگیری اور خلافتِ عثمانیہ کے قاضی محمد امین ابن عابدین رحمہم اللہ وغیرہ کی تصریحات بھی پیش کر دی ہیں، جس میں پہلے ۱۳ صدیوں کے فقہاء و محدثین کے بیسیوں اقوال بھی شامل ہیں۔

'بین الاقوامی معاہدے اور ارضِ صلح' کے بارے میں پیش نظر شمارہ میں بھی ایک مفصل مضمون موجود ہے۔ اس موقف کی توثیق کرتے ہوئے نامور محقق و مصنف حضرت مولانا ارشاد الحق اثری ﷾ لکھتے ہیں:

"بعض حضرات کو مساوی مذہبی حقوق کے معاہدے کی پاسداری کا بڑا احساس ہے، مگر سوال یہ ہے کہ یہ معاہدے کس نے طے کیے ہیں؟ جو لوگ 'خاتم النبیین' ﷺ زبان سے کہہ نہیں سکتے، سورۃ قل ھو اللہ أحد پڑھ نہیں سکتے، حتی کہ کلمۂ شہادت بھی صحیح طور پر پڑھ نہ پائیں، وہ مساوی مذہبی حقوق کا چارٹر متعین کریں گے تو کیا وہ اسلام اور مسلمانوں کے حقوق کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ حقوق متعین کریں گے؟ وہ قرآن وسنت کی وہ کون سی نصوص ہیں جن پر مسلمانوں اور غیر مسلمانوں کے حقوق کو یکساں اور برابر قرار دیا گیا ہے؟ کیا ان مساوی مذہبی حقوق کی خلاف ورزی کبھی غیر مسلمانوں نے نہیں کی؟ اگر کی ہے تو اس کے بعد مسلمانوں کو ان کی پاسداری کا سبق دینا، چہ معنیٰ دارد!

اسی نوعیت کے جتنے شبہات ہیں، محترم ڈاکٹر حافظ حسن مدنی ﷾ نے ان کا تارپود بکھیر کے رکھ دیا ہے۔ جزاہ اللہ أحسن الجزاء عنّا وعن المسلمین! اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں کہ مسلمانوں کے شہر میں کوئی نیا کفریہ معبد خانہ بنایا جائے یا بنانے کی اجازت دی جائے۔ بالخصوص اسلام آباد جیسے شہر میں جو مملکتِ پاکستان کا دار الخلافہ ہے۔ اسلامی تعلیمات و ہدایات کو نظر انداز کر کے اگر کوئی اس کی جسارت بلکہ حماقت کرتا ہے تو اس کی حماقت کا سدباب ہمارے پاس نہیں۔ البتہ ہم یہ ضرور عرض کریں گے کہ اس کے بنانے کے لیے اسلام کا ٹھپہ لگانے کی جسارت نہ کی جائے۔"[1]

المختصر پیش نظر مسئلہ کے پہلے نکتے: شہری اُصولوں کی خلاف ورزی اور دوسرے نکتے: بت کدے بنانے میں تعاون کے ناجائز ہونے میں تو کوئی دوسری رائے نہیں پائی جاتی۔ جبکہ شرعی حیثیت کے تیسرے نکتے میں، لبرل طبقے کی غامدی صاحب تو کھلم کھلا تائید کرتے ہیں جو کوئی انوکھی بات نہیں۔ اور چند علمائے کرام فقہی

1 ماخوذ از تقریظ... کتاب: 'پاکستان میں نئے مندر، گوردوارے اور گرجاگھر تعمیر کرنے کے شرعی احکام' از راقم: ص ۹

موقف کو تسلیم کرنے کے باوجود، عالمی اور قومی معاہدات کے ذریعے پیدا ہونے والے ابہامات کو غیر ضروری اہمیت دیتے ہوئے ایک لحاظ سے لبرل طبقے کے موقف کے مؤید نظر آتے ہیں۔ حالانکہ دوسری طرف علمائے کرام کی چودہ صدیوں کے ساتھ حالیہ بڑی اکثریت کا موقف یہ ہے کہ شریعت اور معاہدوں میں تضاد پیش کرکے شرعی احکام کو پیچھے کرنے کی بجائے، شریعت کی صراحت کے مقابلے میں معاہدوں کے ابہام کی وضاحت کی قانونی جدوجہد کی جائے۔ کیونکہ اوّل تو معاہدے صریح اور دوٹوک نہیں، اگر واضح ہوں تو خلافِ شرع ہونے کی بنا پر قابل توجیہ و تاویل ہیں۔ اور پھر یہ معاہدے، فریق مخالف کی خلاف ورزی کی بنا پر رہی سہی شرعی حیثیت بھی کھو بیٹھے ہیں۔

جس ترتیب سے راقم نے شرعی مسئلہ کے تحت تمام مواقف کو پیش کردیا ہے، ان حضرات کی باہمی موافقت اور تائید کی ترتیب بھی یہی ہے۔ اور افسوس کہ لبرل طبقہ کا 'قومی ریاست والا موقف' بعض اہل علم کے ہاں: معاہد، ارضِ صلح، عرف اور فقہی توجیہات کے ذریعے آہستہ آہستہ جگہ بنا رہا ہے۔ اور سب کے نتائج فکر حیران کن حد تک ملتے جلتے ہیں۔ دراصل یہ سب مغربی فکر کی قبولیت اور اثر پذیری کے مختلف درجے ہیں جو دعوت، قبولیت، مرعوبیت اور مزاحمت کے تدریجی مرحلوں میں تقسیم ہیں۔

راقم نے اپنی تین صد سے زائد صفحات پر پہلی کتاب کو اس خلاصہ پر ختم کیا ہے:

"اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ ان ظالمانہ وجبری معاہدوں کے سوا ہمارے پاس کوئی چارہ نہیں لیکن ہمیں ان معاہدات پر خوش دلی سے راضی ہو کر، ان کو آگے توسیع دیتے چلے جانا چاہیے یا ان کی اصلاح کی بھرپور جدوجہد شروع کردینی چاہیے اور ملی اتحاد کے ساتھ ساتھ ضروری تیاری پر مرکوز ہونا چاہیے۔ ان معاہدوں کی پابندی شرع و قانون سے زیادہ ہماری بے عملی اور کمزوری کی ترجمان ہے۔ اور ہمارے اہل دانش کو ان معاہدوں کی اسی حیثیت کو ہی واضح کرنا اور درست سمت رہنمائی کرنی چاہیے۔ افسوس تو اس وقت ہوتا ہے کہ ہمارے بعض بڑے نامور اہل علم و دانش ان تضادات کو سمجھ بوجھ کر قبول کرنے، انہی اصطلاحات کو رواج دینے اور اسی کو حقیقت بنانے کی جدوجہد میں لگ جاتے ہیں۔ وہ قوم میں ان کے فروغ کی دعوت دیتے اور شریعتِ اسلامیہ کی تعبیرات کو اسی مغرب زدہ جامے میں بیان کرتے ہیں۔ مرعوبیت، فکری ہزیمت اور ذہنی شکست خوردگی کی اس سے قابل رحم مثال کیا ہوگی؟"

(ڈاکٹر حافظ حسن مدنی)

ضمنی علاماتِ قیامت

علامات قیامت کا فہم اور درستی احوال کی راہنمائی

محمد نعمان فاروقی[1]

نبی کریم ﷺ کی بیان کردہ، قیامت کی کچھ علامات بڑی واضح ہیں۔ اُنہیں دیکھ کر قربِ قیامت کا یقین ہو جاتا ہے۔ اُمت اپنے اپنے حساب، ماحول اور علم کے مطابق اُنہیں جان لیتی ہے۔ قدیم اور دورِ حاضر کے اربابِ علم نے علاماتِ قیامت کی مختلف اقسام بنا کر ان کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ علامات خاص خاص مواقع کے لیے اور بڑی محدود ہیں، جبکہ علامات کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ کچھ تو الفاظ کی صورت میں ہیں اور کچھ اشارات کی صورت میں۔ کچھ عبارتوں سے سمجھ میں آجاتی ہیں اور کچھ ضمنی طور پر۔ اور ایک ایک علامات اپنے ضمن میں بہت سی علامات لیے ہوئے ہے۔ اگر لفظاً بیان کردہ علامات کو دیکھا جائے تو وہ اہل تحقیق کی نزدیک اس طرح ہے۔ علامات قیامت کو جاننے کے لیے حاشیہ میں درج کتب[2] سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

اگر ان علامات قیامت میں سے ایک ایک پر غور کیا جائے تو ان کے ضمن میں پائی جانے والی علامات کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے ایمان ویقین کی کمی، مادہ پرستی، دنیا سے محبت، تہذیب وثقافت، قیام وطعام اور رہن سہن الغرض ایک ایک چیز بیان کر دی گئی ہے۔

ذیل میں ایسی ہی چند ضمنی علامات بیان کی جاتی ہیں جن سے قیامت کا یقین بھی پختہ ہو گا۔ نبی کریم ﷺ کی صداقت بھی عیاں ہو گی اور پیش بندی کی راہیں بھی ہموار ہوں گی۔

---

١ مدیر ماہنامہ 'ضیائے حدیث'، لاہور

٢ دجال اور قیامت کی نشانیاں / مدثر حسین سیان؛ قربِ قیامت کے فتنے اور جنگیں مع قیامت کے بعد کے احوال / حافظ ابن کثیر؛ قیامت قریب آرہی ہے! / ڈاکٹر محمد بن عبد الرحمن العریفی؛ قیامت کب آئے گی؟ / یوسف بن عبد اللہ الوابل؛ علامتِ قیامت اور نزولِ مسیح / مفتی رفیع عثمانی؛ قیامت کی نشانیاں صحیح احادیث کی روشنی میں / حافظ مبشر حسین لاہوری؛ علاماتِ قیامت کا بیان / محمد اقبال کیلانی؛ قیامت اور علاماتِ قیامت / حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹی؛ آثار قیامت اور فتنہ دجال کی حقیقت، قرآن وحدیث کی روشنی میں / شاہ رفیع الدین۔

یہ تمام کتب 'محدث لائبریری' (کتاب وسنت. کام) پر Pdf کی صورت میں میسر ہیں۔

اوّل: زنا کا عام ہونا

زنا کے عام ہونے کے متعلق متعدد حدیثیں وارد ہیں:«وَيَظْهَرَ الزِّنَا»[1]. ''اور زنا عام ہو گا۔'' یہ ایک علامتِ قیامت ہے۔ اب دیکھیے کہ زنا ایک دم سے آتے جاتے نہیں ہو جاتا۔ اس کے لیے بہت لمبی چوڑی شیطانی منصوبہ بندی ہوتی ہے۔ وہ ساری منصوبہ بندی اور وسائل بھی دراصل زنا کے عام ہونے کی پیش گوئی میں ضمنی طور پر شامل ہیں۔

① جہاں تک اسبابِ زنا کا تعلق ہے تو وہ 'نظر' سے شروع ہوتے ہیں۔ براہِ راست دیکھنے کی سہولت بھی جانبین کو میسر ہے جس کی راہ میں شرم وندامت کی ہلکی سی اوٹ بھی نظر نہیں آتی۔ اس کے علاوہ سوشل میڈیا پر اپنی خوبصورت تصاویر مختلف انداز میں بنا کر لگانا اور ان میں مرضی کی رنگ آمیزی کرنا اور ہر ایک کو دیکھنے کی سہولت میسر ہونا۔ اسی الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا اور تشہیری مہم جوئی میں عورت کی تصویر اور ہر ایک کا نامناسب انداز بلا روک ٹوک استعمال ہے۔ جن کے پاس وسائل ہیں، وہ ان ماڈلز تک بھی پہنچ پاتے ہوں گے اور جن کی پہنچ ان 'ستاروں' تک نہیں، وہ ان جیسوں کی تلاش میں لگ جاتے ہوں گے۔ اس سے قبل یہ صورتِ حال نہ تھی۔ دیکھنے کی اس سہولت نے زنا کی راہ ہموار کی۔ گو حدیث ہمیں بتا رہی ہے کہ قیامت کے قریب یہ دیکھنے کی سہولت عام ہو گی۔ کیمرے کی ایجاد، فوٹو شاپ پروگرام، ہر موبائل میں کیمرہ، یہ سب ضمنی پیش گوئیاں ہیں۔ اور اگر کوئی پیش بندی کے طور پر زنا سے بچنا چاہتا ہے تو دیکھنے کے جملہ ذرائع سے بچ کر رہے۔ فیس بک یا دیگر ذرائع ابلاغ پر نمودار ہونا تو کوئی ضروری نہیں لیکن اپنی عزت کا دفاع انتہائی لازمی امر ہے۔ مگر خود نمائی کے اس دور میں اور تصویر کے عام ہونے نے بڑے بڑے پاکیزہ گھرانوں سے پابندیاں اُٹھا دی ہیں۔

② زنا کا دوسرا سبب 'رابطہ' ہے۔ پہلے جانبین کا رابطہ انتہائی مشکل اور کٹھن تھا۔ جوں جوں قیامت قریب آتی جا رہی ہے، توں توں باہمی روابط بھی آسان تر اور سستے ترین ہوتے جا رہے ہیں۔ موبائل کمپنیوں نے سستے ترین پیکیج دے کر گناہ میں سہولت در سہولت پیدا کر دی ہے۔ جب ٹیلی فون کی سہولت میسر آئی تب بھی گھروں سے 'نکل جانے' کے واقعات میں اضافہ ہوا اور زنا پھیلا۔ لیکن جانبین کو خطرات رہتے تھے کہ مطلوبہ 'شکار' کے علاوہ فون کوئی اور نہ اُٹھا لے مگر موبائل نے یہ سہولت بھی فراہم کر دی۔ اب بلا خوف وخطر رابطے ہوتے ہیں۔

[1] صحيح البخاري، كتاب العلم، باب رفع العلم وظهور الجهل: ٨٠

③ زنا کا تیسرا سبب جانبین کی تنہائی ہے۔ رابطے کی سہولت سے تنہائی بھی آسان ہو گئی۔ اور تنہائی کے لیے کالج، یونیورسٹی، دفاتر اور آنے جانے کے دوران مواقع بھی میسر آ گئے۔ زنا سے متعلق پیش گوئی میں ضمناً یہ بتادیا گیا ہے کہ قیامت کے قریب غیر محرموں سے تنہائیاں میسر آئیں گی۔ جو باشعور اُمتی ہیں اور سینوں میں اللہ کا خوف اور خشیت رکھتے ہیں وہ تو تنہائیوں سے بچتے ہیں۔ اس کے باوجود بہت سے مواقع میسر آجاتے ہیں۔ مخلوط نظامِ تعلیم میں اور سرکاری و نیم سرکاری دفاتر میں خواتین کا لازمی کوٹہ بھی بہت سے مواقع رکھتا ہے جس سے شاطر اور شیطانی ذہن فوراً راستہ بنالیتا ہے۔ زنا عام ہونے کی پیش گوئی کا مطلب یہی ہے کہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے کسی مرد یا عورت کو تنہائی کے لمحات میسر آرہے ہیں تو وہ ان سے خود بچے۔ اس بارے میں علیحدہ سے احادیث موجود ہیں: «لاَ يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ».[1]

''کوئی غیر مرد کسی غیر محرم عورت سے ہرگز تنہائی اختیار نہ کرے۔''

اسی طرح فرمایا: «وَلَا تَلِجُوا عَلَى الْمُغِيبَاتِ».[2]

''جن کے خاوند موجود نہ ہوں، ان کے پاس نہ جاؤ۔''

اگر کسی انجانے میں دیکھنے اور رابطے کے مراحل طے ہو چکے ہیں تو اب بھی زنا ممکن نہیں۔ یہ اسی وقت ہو سکتا ہے، جب تنہائی میسر ہو گی۔

④ زنا کو عام کرنے کے لیے تزئین و آرائش بھی ایک سبب ہے۔ بناوٹی خوبصورتی کے لیے بہت سے وسائل سستے داموں میسر ہیں۔ زنا کے عام ہو جانے والی حدیث میں ان کی طرف اشارہ بھی موجود ہے۔ کسی عام سے چہرے کو کسی بھی تہوار پر بیوٹی پارلر کا چکر لگوایا جائے تو وہ پرکشش اور جاذب بن جاتا ہے۔ نت نئے فیشن اور خوبصورتی پر صرف ہونے والا سرمایہ شاید ہماری بنیادی خوراک کا نصف تو ضرور ہو گا۔ جس نے دوسروں کے لیے فیشن کرنا ہے، اس نے اپنے آپ کو نمایاں بھی کرنا ہے۔ اس لیے اس کا لباس بھی ادھورا یا کم تر ہو گا۔ پردے سے یا تو بچا جائے گا یا پھر پردہ اس انداز سے کیا جائے گا جو پرکشش ہو اور حقیقت میں 'نام کا ہی پردہ'۔

⑤ اور پھر کاسمٹکس میں خوشبو کا استعمال اور مستقل طور پر خوشبو کا استعمال... جو شریعتِ اسلامیہ میں عورت کے لیے ممنوع ہے... عام ہے۔ نسوانی پرفیومز اور عطر کی ایک بہت بڑی رینج مارکیٹ میں دستیاب ہے۔

1 صحیح البخاري، كتاب الجهاد والسير، باب من اكتتب في جيش ... هل يؤذن له؟:٣٠٠٦

2 سنن الترمذي، أبواب الرضاع...، باب ما جاء في كراهية الدخول على المغيبات:١١٧٢

⑥ اسی طرح زنا کے اسباب میں گھر کے سر براہان کا اپنے گھر کی رعایا سے بے خبری بھی ہے۔ لڑکیوں کے بارے میں تو کسی حد تک دیکھ بھال کی جاتی ہے مگر لڑکے کلی آزاد ہیں۔ لوگوں کا یہ شوق تو بہت زیادہ ہے کہ وہ جان لیں کہ دنیا کہاں پہنچ چکی ہے مگر ان کو اپنے جگر گوشوں کی پرواتک نہیں۔ انہیں یہ تو پتہ ہے کہ جیسے تیسے بھی ان کے جائز اور ناجائز اخراجات پورے کرنے ہیں، مگر ان کی تربیت کا کوئی اہتمام نہیں۔ احتساب نہیں، اپنے گھر والوں کے بارے میں چوکنا اور ہوشیار رہنے کا کوئی جذبہ نہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کا جنت میں ہونے والا مکالمہ بیان کیا ہے کہ وہ جنت میں اپنی مسندوں پر جلوہ افروز ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے: ﴿إِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِىٓ أَهْلِنَا مُشْفِقِينَ ۝٢٦﴾ (الطور ۲۶:۵۲)

''بے شک ہم اس سے قبل (دنیا میں) اپنے گھر والوں کے بارے میں چوکنے رہتے تھے۔''

⑦ اسی طرح زنا کا ایک بڑا سبب خاوندوں کا معاش کے سلسلے میں اپنے گھر سے مہینوں بلکہ سالوں تک کے لیے دور رہنا ہے۔ اور 'مشترکہ خاندانی نظام' میں پردے کا خیال نہ رکھنا اور تنہائیوں سے نہ بچنا ہے۔ بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو بیرون ممالک میں ناجائز کام کر رہے ہوتے ہیں اور اندرون ملک میں ان کی نوجوان بیویاں ان کا بدلہ چکا رہی ہوتی ہیں۔ فطرتی جذبات کو آخر کب تک دبایا جاسکتا ہے؟ اسی طرح گھریلو ناچاقیاں، بیگمات کا اپنے خاوندوں کی جائز خواہش کا خیال نہ رکھنا اور شرعی اجازت کے باوجود خاوندوں کی زیادہ شادیوں میں رکاوٹ بننا اور حکومت کا ایک سے زائد شادیوں کے لیے کڑی شرائط لگانا کہ ایسا ممکن ہی نہ رہے، یہ بھی زناکاری کا ایک خاموش سبب ہے۔

⑧ زنا کے عام ہونے کے اسباب یہ بھی ہے کہ بدکاری کے اڈے عام مل جاتے ہیں، جیسے ہوٹل وغیرہ۔ پہلے یہ ضرورت کے تحت تھے جو اب فحاشی کے اڈے بنتے جارہے ہیں۔ یہ سستے سے سستے اور مہنگے سے مہنگے کرائے پر دستیاب ہیں۔ سیر گاہوں پر، ساحلوں پر اور شہر میں ہر جگہ یہ سہولت میسر ہے۔

⑨ زنا کے عام ہونے کے اسباب میں سے خاص طبی اور جنسی ایجادات بھی ہیں۔ جن میں سے ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ بدکار خاتون کو اپنے شکم میں بدکار مرد کے چھپائے ہوئے نطفہ حرام کو پرکھنے اور ساقط کرانے کی سہولت بہ آسانی میسر ہے، حالانکہ ان سب امور کے لیے کچھ شرائط وضوابط ہونی چاہییں۔ پہلے کی عورت کو خواہ وہ کس قدر بھی بدکار ہو، اسے یہ خدشہ تو تھا کہ اس کے رحم میں کچھ سما گیا تو وہ کیا کرے گی کیسے چھپائے گی؟ مگر آج ایسی کوئی مشکل نہیں!!

⑩ زنا کو قانون کی چھتری بھی میسر ہے۔ لڑکا اور لڑکی گھر سے بھاگے، راتیں بسر کیں اور کچھ دن بعد عدالتی نکاح کرکے معاشرے میں با'عزت' رہنے لگے۔ اگر ایسے ناجائز جوڑے کو یہ یقین ہو کہ اُنہیں تحفظ کے

بجائے سزا دے کر ان کے گھروں میں واپس لوٹایا جائے گا تو بھلا کس میں جرات ہو گی!! گویا یہ عدالتی 'ریلیف' بھی زنا کا سبب ہے۔

الغرض! نبی اکرم ﷺ نے زنا عام ہونے کی پیش گوئی فرمائی تھی اور یہ ایک پیش گوئی اپنے ضمن میں بیسیوں پیش گوئیوں کو لیے ہوئے ہے۔ یہی اعجاز نبوت ہے۔ ہماری معاشرتی بے راہ روی اور سماجی ابتری کی ایک ایک شق اور مرحلہ واضح کر دیا گیا ہے۔ اب جو شخص کسی بھی مرحلے میں 'زنا' کا سبب بن رہا ہے، اسے اپنے انجام کو جان لینا چاہیے۔

دوم: موٹاپا

رسول اللہ ﷺ نے علاماتِ قیامت میں موٹاپے کا تذکرہ بھی کیا، حدیث نبوی ﷺ ہے:

«وَيَظْهَرُ فِيهِمُ السِّمَنُ». [1] "اور موٹاپا عام ہو گا۔"

یہ تو ایک پیش گوئی ہے جسے ہم اپنی آنکھوں سے پورا ہوتا دیکھ رہے ہیں۔ اب اس پیش گوئی کے ضمن میں ہم جائزہ لیتے ہیں کہ موٹاپے کے اسباب کیا ہیں۔

ماہرین نے موٹاپے کے مندرجہ ذیل اسباب بتائے ہیں:

1. ورزش اور جسمانی سرگرمیوں سے پہلو تہی۔ جوں جوں قیامت قریب آتی جا رہی ہے نوجوانوں کی کھیلیں بھی محدود ہوتی جا رہی ہیں۔ کھیل کے وسیع اور کھلے میدان بھی بہت کم ہیں۔ اگر ہیں بھی تو نوجوان موبائل میں موجود کھیلوں ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔ ہر کھیل کی موبائل ایپ بنا دی گئی ہے۔ اکثر لوگ انہی پر اپنے شوق پورے کر لیتے ہیں۔ حالانکہ یہ صحت پر مضر اثرات ڈالتی ہے۔ ایک سروے کے مطابق ویڈیو گیمز کو دیکھنے والوں کی تعداد کروڑوں تک پہنچتی ہے۔ پہلے نوجوان نسل جسمانی کھیلوں میں مصروف رہتی تھی اور اب موبائل اور نیٹ پر۔
2. موٹاپے کا ایک سبب فاسٹ فوڈز اور چکناہٹ ہے۔ شہروں سے لے کر دیہات تک، بازاروں سے لے کر محلوں تک، ہر جگہ برگرز، پیزے اور کولڈ ڈرنکس موجود ہیں اور ہر وقت موجود ہوتے ہیں۔ خصوصاً بچے اور جوان انہیں بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔ اس میں اس قدر ورائٹی ہے کہ یہ بہت مرغوب ہیں۔ ان سے موٹاپا بڑی تیزی سے پھیل رہا ہے۔ ملٹی نیشنل کمپنیاں بڑی ذائقے دار اشیا تیار کرتی ہیں، ہوم ڈلیوری کی سہولت بھی میسر ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ہوٹلوں کی بہتات اور کھانے پینے کا شوقِ فراواں بھی موٹاپے کا

---

1 صحيح مسلم، كتاب القدر، باب كيفية خلق الآدمي في بطن... أمه وكتابة رزقه وأجله: ٢٦٥١

سبب ہے۔

④ موٹاپے کا سبب شوگر بھی ہے اور شوگر کا باعث 'ذہنی دباؤ' ہے۔ گویا حدیث میں بتادیا گیا کہ قیامت کے قریب ذہنی تناؤ بڑھے گا۔ ذہنی تناؤ خود ساختہ ہے۔ دنیا میں آگے بڑھنے کی دوڑ ، مقابلہ آرائی اور مادہ پرستی نے سکون کی جگہ افراتفری، ذہنی دباؤ اور اُلجھنیں تحفے میں دی ہیں۔

④ موٹاپے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بہت سا کام کمپیوٹر اور مشینوں سے لیا جاتا ہے۔ تعمیراتی میدان میں بھی، صنعت گری میں بھی حتی کہ کاریگری اور دست کاری میں بھی ہاتھوں کی جگہ مشینیں آگئیں۔ اور آپریٹر محض بٹن دبانے کا کام کرتے ہیں۔

⑤ رہتی کسر موٹر سائیکل اور جدید سواریوں نے نکال دی۔ معمولی سے اور قریبی کام کے لیے بھی لوگ پیدل چلنے کے بجائے موٹر بائیک استعمال کرتے ہیں۔ جن علاقوں اور دیہاتوں وغیرہ میں پیدل چلنے کا ذوق یا شغل باقی ہے، ان علاقوں میں اب بھی موٹاپا کم ہے۔

الغرض موٹاپے کے متعلق آپ ﷺ کی پیش گوئی کے ضمن میں اس سے متعلقہ بہت سی علامات سمجھ آتی ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے پہلے سے پیش گوئی اس لیے فرمادی تھی کہ اُمت اپنے رہن سہن، خوراک اور طرزِ زندگی میں توازن برقرار رکھے۔ مگر اور تو اور، خود اہل علم کی اکثریت بھی اس کا شکار ہے۔

سوم: علم کا اُٹھ جانا اور جہالت کا عام ہونا

علاماتِ قیامت میں سے یہ بھی ہے کہ علم اُٹھالیا جائے گا۔ حدیث مبارکہ ہے:

«أَنْ يُرْفَعَ العِلْمُ وَيَثْبُتَ الجَهْلُ».[1]

"علم اُٹھالیا جائے گا اور جہالت باقی رہ جائے گی۔"

علمائے کرام کا تیزی سے اُٹھ جانا ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں جیسا کہ پچھلے دنوں امام القراء قاری محمد یحییٰ رسولنگری، جامعہ سلفیہ کے نائب شیخ الحدیث مولانا محمد یونس بٹ، شیخ الحدیث جامعہ محمدیہ، گوجرانوالہ: مولانا عبد الحمید ہزاروی، شیخ الحدیث دار الحدیث، اوکاڑہ: مولانا عبد الرشید ہزاروی، پروفیسر حافظ ثناء اللہ خان، پروفیسر عبد الرحمٰن لدھیانوی معروف مفسر قرآن: حافظ صلاح الدین یوسف اور مولانا عبد الحلیم شرر بن مولانا محمد علی جانباز... اللہ ان اکابرین سے راضی ہو جائے اور بخشش وبلندی درجات عطا فرمائے۔ آمین!

علم اُٹھ جانے پیش گوئی کے برعکس ہمیں دینی وعصری علوم کی طرف زیادہ رجحان نظر آتا ہے۔ اس لحاظ

[1] صحيح البخاري، كتاب العلم، باب رفع العلم وظهور الجهل: ٨٠

سے حدیث کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اس میں علم دین اُٹھ جانے کی بات ہے۔ کیونکہ اسی باب کی احادیث میں یہ الفاظ بھی ہیں:

«حَتَّى إِذَا لَمْ يبْقِ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوسًا جُهَّالًا، فَسُئِلُوا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ...»[1]

"یہاں تک کہ جب ایک بھی عالم باقی نہیں بچے گا تو لوگ اپنے روسا جاہلوں کو بنائیں گے پھر ان سے سوالات پوچھے جائیں گے تو وہ بغیر علم کے فتوے دیں گے۔"

ظاہر ہے کہ یہ علم کے بغیر فتویٰ دینا علم دین ہی سے متعلق ہو سکتا ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ شریعت کے لحاظ سے 'دین کے بغیر علم' جہالت ہی ہے، خواہ دنیوی اعتبار سے معاشرہ بہت تعلیم یافتہ ہو۔

اس ضمن میں دوسری بات یہ ہے کہ علم سینوں سے رخصت نہیں ہو گا بلکہ اہل علم اُٹھتے چلے جائیں گے۔ حدیث میں ہے: «إِنَّ اللهَ لاَ يَقْبِضُ العِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ العِبَادِ، وَلَكِنْ يَقْبِضُ العِلْمَ بِقَبْضِ العُلَمَاءِ».[2]

"بے شک اللہ تعالیٰ علم لوگوں کے سینوں سے نہیں کھینچے گا بلکہ علم کو اہل علم کے ذریعے اٹھالے گا۔"

گویا صحیح اہل علم کا وجود اُمت پر اللہ کا بہت بڑا احسان ہے۔ جس ملک یا علاقے میں اللہ کا خوف رکھنے والے اہل علم نہیں ہیں، وہ علاقے اس فضل الٰہی سے محروم ہیں۔ اسی علامتِ 'قیامت' کے ضمن میں اہل علم کا رخصت ہوتے چلے جانا، یا قتل ہو جانا بھی ثابت ہو رہا ہے۔

پیچھے جو شبہ پیش کیا گیا کہ بظاہر تو دینی علوم پڑھنے والے بڑھ رہے ہیں۔ ہزاروں بچے حفظِ قرآن کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ بہت سے ادارے آن لائن علم کی نشر و اشاعت میں مگن ہیں۔ خواتین کے حلقوں میں بہت سے ادارے علم کی شمع فروزاں کیے ہوئے ہیں، جبکہ پہلے ایسا نہیں تھا۔ مگر حدیث بتا رہی ہے کہ جہالت عام ہو گی اور علم اُٹھ جائے گا۔ اس کا حل بھی ایک حدیث کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے، وہ حدیث اس طرح ہے:

نبی اکرم ﷺ نے کسی بات کا تذکرہ کیا اور فرمایا: «ذَاكَ عِنْدَ أَوَانِ ذَهَابِ الْعِلْمِ».

"یہ اس وقت کی بات ہے جب علم اُٹھا لیا جائے گا۔"

زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی: اللہ کے رسول ﷺ! کیسے علم چلا جائے گا، حالانکہ ہم قرآن پڑھ رہے ہیں اور اپنے بچوں کو بھی پڑھا رہے ہیں اور اسی طرح روزِ قیامت تک یہ سلسلہ تعلیم جاری رہے گا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: «أَوَلَيْسَ هَذِهِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى، يَقْرَءُونَ التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ لَا

---

1 صحيح البخاري، كتاب العلم، باب كيف يقبض العلم: ۱۰۰

2 صحيح البخاري، كتاب العلم، باب كيف يقبض العلم: ۱۰۰

يَعْمَلُونَ بِشَيْءٍ مِمَّا فِيهِمَا؟»[1]

''کیا یہ یہود و نصاریٰ نہیں ہیں یہ بھی تورات وانجیل پڑھتے ہیں مگر ان میں سے کسی پر بھی عمل پیرا نہیں ہیں۔''

یہ حدیث بتارہی ہے کہ علم کے تقاضوں کے مطابق عمل کا فقدان ہو گا اور علم کی روح نہیں ہو گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ علمِ دین 'عمل' کے لیے نہیں سیکھا جارہا بلکہ شہرت اور ناموری کے لئے، اپنا سکہ بٹھانے اور اپنے نیٹ ورک کو بڑھانے کے لیے ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہو رہا ہے کہ علم دین کا حصول ذریعہ آمدن کے طور پر ہو گا۔ دینی دانش گاہوں میں تربیت اور عملی مشق کا فقدان ہو گا۔

اس عنوان کے تحت جو روایات ذکر کی گئی ہیں، ان سے بہت سی ضمنی علامات سمجھ آتی ہیں:

① اہل علم اُٹھتے جائیں گے۔ ان کی جگہ ان جیسے اہل علم نہیں لیں گے۔ اس طرح رفتہ رفتہ کئی علاقوں میں کوئی بھی اہل علم باقی نہیں رہے گا۔

② لوگوں کی قیادت اور باگ ڈور جاہلوں کے ہاتھ میں ہو گی جیسے آج کل عوامی نمائندے ہوتے ہیں۔

③ جو علم کے صحیح قدردان اور علم کے راہی ہوں گے، اللہ تعالیٰ ان کے سینوں سے علم کبھی نہیں نکالے گا۔ اس لیے عموماً اہل علم جسمانی طور پر جس قدر بھی نحیف ہو چکے ہوں، علمی طور پر وہ مضبوط اور قرآن وسنت کے دلائل سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔

④ ضمناً یہ بات سمجھ آتی ہے کہ اگر قرآن وسنت کی تعلیم کا حصول عمل کے ارادے سے نہیں ہے تو پھر وہ کونسے مقاصد ہیں جس کے لیے اتنے ادارے اور انسٹی ٹیوٹ کھلے ہوئے ہیں۔ گویا قربِ قیامت علم دین کو بھی ایک فن اور ذریعۂ معاش کے طور پر حاصل کیا جائے گا۔

⑤ دینی علوم کا سرچشمہ قرآنِ مجید ہے۔ جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ ہم قرآن مجید پڑھتے پڑھاتے ہیں تو پھر علم کیسے اٹھالیا جائے گا؟ آج مدارسِ دینیہ اور جامعات میں قرآن سے رہنمائی حاصل کرنے کے علوم کو کم اہمیت دی جاتی ہے، اسے فوقیت دینے کی ضرورت ہے۔

⑥ یہود ونصاریٰ خواہشات کی تکمیل کے لیے تاویلات کا سہارا لے کر کچھ نہ کچھ تو عمل کیا ہی کرتے تھے۔ قرآن مجید میں بھی ان کی اپنی شریعت کے کچھ حصے کو ماننے اور کچھ کے انکار کرنے کا تذکرہ ہے مگر یہ حدیث بتارہی ہے کہ ان کے احبار ورہبان سرے سے عمل ہی نہیں کرتے تھے۔ اس سے واضح ہوا کہ جو

---

[1] سنن ابن ماجه، كتاب الفتن، باب ذهاب القرآن والعلم: ٤٠٤٨

عمل اپنی خواہشات کی تکمیل اور ذوق کی تسکین کے لیے کیا جائے، وہ عمل و کردار اللہ کے ہاں اہمیت نہیں رکھتا۔ عمل کی حقیقی راہ یہی ہے کہ ہر وقت، ہر حکم کو بلا تفریق و تخصیص تسلیم کیا جائے۔ وہ حکم عقائد سے تعلق رکھتا ہو یا اعمال سے، سیاست سے ہو یا معیشت سے، تعلیم سے ہو یا تبلیغ سے، معاشرت سے ہو یا اخلاق سے۔

⑦ علم اُٹھ جانے کی علامت کے ضمن میں دیکھیں تو یہ بات بھی نظر آتی ہے کہ جن دینی جماعتوں کے سربراہ اہل علم ہیں وہ بھی کلیۃً شرعی احکام پر عمل پیرا نہیں ہیں اور جو علماء جماعتوں سے تعلق نہیں رکھتے، وہ بہت سے احکام کو نظر انداز کیے ہوئے ہیں جن کا تعلق خالصتاً اجتماعی ہے۔ جیسے اسلامی حکومت کی تشکیل اور غلبے کے لیے جستجو احکامِ شریعت میں سے ہے مگر کئی اہل علم کی کتاب زندگی میں اس موضوع کا ایک ورق بھی نظر نہیں آتا اور کئی ایک اہل علم ایسے ہیں کہ انہوں نے تبلیغ و دعوت کے شرعی ضابطوں کو سمجھوتے کی بھینٹ چڑھا دیا۔ اُنہوں نے دعوت کے بنیادی نقطۂ توحید ہی کو نظر انداز کر دیا۔

چہارم: انصاف بکے گا...!

علاماتِ قیامت میں ایک اہم علامت یہ ہے کہ «وَبَيْعَ الْحُكْمِ».[1] "اور فیصلے فروخت ہوں گے۔"

موجودہ حالات میں یہ مشغلہ بڑا عام ہے۔ منصف بڑا فیصلہ کرنے کے بعد 'خراجِ تحسین' وصول کرنے کے لیے دیارِ کفار کے دورے بھی کرتے ہیں۔ اوپر سے نیچے تک، ہر سطح پر انصاف بکتا ہے۔ کبھی اپنے ہم نواؤں کے لیے انصاف کی دھجیاں بکھرتی ہیں، کبھی کفار کے مذموم مقاصد کے لیے انصاف بکتا ہے۔ کبھی اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے انصاف خریدا جاتا ہے۔ کہیں ظلم وزیادتی کے لیے انصاف کی نیلامی ہوتی ہے، کہیں اقتدار چھیننے کے لیے انصاف بکتا ہے اور کہیں اقتدار کو طول دینے کے لیے انصاف کو لونڈی بنالیا جاتا ہے۔ کبھی حلیفوں کے تحفظ کے لیے انصاف سے کھلواڑ کیا جاتا ہے اور کبھی حریفوں کو پھنسانے کے لیے انصاف بکتا ہے، کبھی سیاسی مقاصد کے لیے انصاف دست بستہ نظر آتا ہے اور کبھی مذہب کے ہاتھوں مجبور ولاچار۔

غرض کہ علاماتِ قیامت میں سے انصاف بکنے والی علامت بھی بالکل واضح ہے۔ اب انصاف بکنے کے مراحل کا جائزہ لیتے ہیں جو ہمارا اصل عنوان ہے اور جس سے ضمنی طور پر بہت سی علامات قیامت سمجھ آتی ہیں:

① جھوٹی وکالتیں ہوں گی۔ فریقین میں سے ایک تو غلطی پر ہوتا ہے مگر ظلم کو عدل ثابت کرنے کے لیے ماہر وکلا اور بڑے بڑے مانے ہوئے لوگ دستیاب ہیں۔ حتی کہ نبوت کا کوئی جھوٹا مدعی کھڑا ہوا تو اس کے

[1] مسند أحمد بن حنبل: ١٦٠٤٠؛ صحيح الجامع الصغير وزياداته: ٢٨١٢

تحفظ کے لیے بھی وکیل میسر آجاتا ہے۔

② جج دباؤ میں آکر یا لالچ میں آکر فیصلے کرتے ہیں۔ العزیزیہ سٹیل ملز کا فیصلہ کرنے والے جج ارشد ملک کی مثال واضح ہے جس کو آخر کار نوکری سے برطرف کر دیا گیا۔ پھر سابق چیف جسٹس نے آسیہ مسیح کا فیصلہ کر کے ایک ایسی مثال پیش کی جس پر ملک بھر کے عوام نے شدید احتجاج کیا۔

③ سفارش کا عام ہونا بھی ہمارے معاشرے کا حصہ ہے۔ فیصلہ کرتے ہوئے صاحبِ حیثیت اور عام شخص میں کھلا امتیاز کیا جاتا ہے۔ کسی سے کوئی ظلم و قتل ہو جائے تو وہ خود کو انصاف کے لیے پیش کرنے کے بجائے جج سے رابطے کے لیے کسی سفارشی کو ڈھونڈ رہا ہوتا ہے۔

④ انصاف بکنے نے رشوت ستانی کا بازار بھی گرم کر رکھا ہے۔ عدالتی نظام کی اس خرابی کی وجہ سے لاکھوں مقدمات کے فیصلے توجہ کے منتظر ہیں۔

١. جھوٹے اشٹام پیپر نکلوائے جاتے ہیں۔

٢. جھوٹے انگوٹھے اور جھوٹی گواہیاں جن پر بڑے بڑے فیصلوں کا رخ بدل جاتا ہے، عام سی بات ہے۔ جبکہ حدیث میں جھوٹی گواہیوں کی پیش گوئی علیحدہ سے بھی موجود ہے۔

٣. بیلف (عدالتی نامہ) لے جانے والے کبھی فریق مخالف کی عدم وصولی کے دستخط خود کر دیتے ہیں۔

٤. عدالتی ریڈر سے رابطے بڑے عام ہیں، اس کی وجہ سے تاریخیں آگے پیچھے کرنا بھی معمول ہے۔

٥. انصاف کا حصول اس قدر لمبا اور مشکل ترین بنایا گیا ہے کہ بہت سے لوگ خجل خوار ہونے اور جوتے گھسانے کے بجائے صبحِ قیامت کے منتظر ہیں۔

⑤ امام مہدی کے ظہور سے پہلے روئے زمین پر ظلم کے دور دورے کا تذکرہ بھی حدیث میں ہے:

«يَمْلَأُ الْأَرْضَ قِسْطًا وَعَدْلًا، كَمَا مُلِئَتْ جَوْرًا وَظُلْمًا».[1]

''امام مہدی زمین کو عدل سے بھر دیں گے جیسا کہ اس سے پہلے یہ ظلم سے بھری ہوئی ہوگی۔''

اسی طرح دیگر علاماتِ قیامت کے ضمن میں بہت سی علامات سمجھ آتی ہیں۔ اس سے ہمارے سامنے بہت سے پہلو عیاں ہوتے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم علاماتِ قیامت کو علم کا موضوع اور دروس و خطبات کا عنوان بنائیں اور ان سے استفادہ کرتے ہوئے فرد اور معاشرے کی اصلاح کریں۔

اللہ ہم سب کو اپنے احوال درست کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین!

---

1 سنن أبي داوٗد، كتاب المهدي: ٤٢٨٥

بین الاقوامی معاہدے اور 'ارضِ صلح'

غیر مسلموں کے مساوی مذہبی حقوق کے تناظر میں

ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

بعض اہل علم کی رائے ہے کہ پاکستانی ریاست معاہدۂ صلح کے نتیجے میں وجود میں آئی ہے، اور شریعت اسلامیہ میں ارضِ صلح کے احکام، بالخصوص عبادت گاہوں کی حیثیت، بزورِ طاقت حاصل ہونے والی زمین سے مختلف ہے۔ حکومت کو اس کی روشنی میں غیر مسلموں کو شرعی حقوق دینے چاہئیں۔

جبکہ دیگر اہل علم اس سے آگے بڑھ کر واضح طور پر کہتے ہیں کہ ۱۹۵۰ء کے 'لیاقت۔نہرو معاہدہ' کی رو سے پاکستان میں اقلیتوں کو برابر کے حقوق حاصل ہیں اور ہمیں اس معاہدے کی پاس داری کرنی چاہیے۔

اسی عہدِ صلح کی نشاندہی دستور پاکستان میں 'بنیادی حقوق' کے تحت آرٹیکل نمبر ۲۰ بھی کرتا ہے جس میں اقلیتوں کے مساوی حقوق کی بات کی گئی ہے۔ اور یہ دستوری کا 'عمرانی معاہدہ' داخلی سطح پر بھی اہل پاکستان پر لازمی کرتا ہے کہ وہ اپنے معاہدے نبھائیں۔ عالمی ادارے اور قومی عدالتیں اسی بنا پر اقلیتوں کی نئی عبادت گاہوں کی تائید کرتی ہیں اور ان کے مساوی حقوق کے لئے کوشاں ہیں۔

مذکورہ بالا تمام دعووں کو ایک جملہ میں یوں سمو دیا جاتا ہے کہ ''شریعتِ اسلامیہ کے احکام اپنی جگہ لیکن حالات بدل گئے ہیں، اب ماضی کے شرعی احکام کو ہو بہو نافذ نہیں کیا جاسکتا...!''

ذیل میں ان سوالات واعتراضات کی شرعی دلائل کی روشنی میں وضاحت پیش کی گئی ہے۔

اسلام میں معاہدوں کی اہمیت

مذکورہ اکثر دعوؤں کی بنیاد 'معاہدوں اور ان کی شرعی حیثیت' پر ہے، اس لئے سب سے پہلے ہمیں اس سلسلے میں اسلامی موقف کو واضح اور تازہ کرلینا چاہیے۔

اسلام ہمیں معاہدوں کی پاسداری کی پرزور تلقین کرتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

﴿وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ۝﴾ (بنی اسرائیل:۳۴)

''اور عہد کی پابندی کرو کیونکہ عہد کے بارے میں تم سے باز پرس ہوگی۔''

اور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ، وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ».[1]

"اس کا ایمان نہیں جس کو امانت کا پاس نہیں۔ اور جو عہد کی پاسداری نہیں کرتا، اس کا کوئی دین نہیں۔"

اور ایفائے عہد نبی مکرم ﷺ کی دعوت کا امتیاز ہے، جیسا کہ قیصر روم ھرقل نے اپنے دربار میں کہا تھا:

«وَيَأْمُرُكُمْ بِالصَّلَاةِ، وَالصَّدَقَةِ، وَالعَفَافِ، وَالوَفَاءِ بِالعَهْدِ، وَأَدَاءِ الأَمَانَةِ، قَالَ: وَهَذِهِ صِفَةُ النَّبِيِّ».[2]

"تمہیں وہ نماز، صدقہ، پاک بازی، ایفائے عہد اور ادائے امانت کا حکم دیتے ہیں۔ پھر ہرقل کہنے لگا کہ ایک نبی کی یہی صفت ہے۔"

حتی کہ معاہدوں میں کبھی کوئی شق اپنے یا ملت کے خلاف بھی پڑتی ہو تو نبی کریم ﷺ نے اس کی پاسداری سے گریز نہیں کیا، جیسا کہ صلح حدیبیہ میں سیدنا ابو جندل ؓ کا مشہور واقعہ موجود ہے۔

اور نبی کریم ﷺ نے ایلچیوں کے مرتد ہونے کے باوجود، ان پر ایسی حالت میں سزائے ارتداد کو نافذ کرنے سے گریز کیا، جیسا کہ 'ملی مجلس شرعی' کے صدر مولانا زاہد الراشدی حفظہ اللہ اپنے مراسلہ میں لکھتے ہیں:

"نبی کریم ﷺ نے مسیلمہ کذاب کے دو قاصدوں کو فرمایا: «لو لا الرّسُل لا تقتل لضربتُ أعناقكما» یعنی شرعاً تو ان کی سزا قتل ہی تھی، مگر نبی کریم ﷺ نے اسی عرف کی بنا پر انہیں چھوڑ دیا کہ قاصدوں کو قتل نہیں کیا جاتا۔"[3]

معاہدوں کی پاسداری ہی اسلام ہے!

معاہدے کی اہمیت کے ساتھ ساتھ معاہدہ کی پاسداری کے بارے میں بھی شریعتِ اسلامیہ سے ہمیں واضح رہنمائی ملتی ہے۔ دنیا کا تو آغاز ہی عہد و معاہدہ سے ہوا ہے، اللہ تعالیٰ نے انسانیت[4] سے 'امانتِ اسلام' کا عہد لیا۔

---

۱ مسند احمد: رقم ۱۲۳۸۳، قال شعیب ارناؤط: حدیث حسن... یہ سند تو ضعیف ہے، لیکن متعدد شواہد و متابعات کی بنا پر مقبول ہے۔ تفصیل کے لئے: http://aljebaan.com/play-422.html مورخہ ۸ جولائی ۲۰۲۰ء

۲ صحيح البخاري :كِتَابُ الجِهَادِ وَالسِّيَرِ (بَابُ دُعَاءِ النَّبِيِّ النَّاسَ إِلَى الإِسْلاَمِ وَالنُّبُوَّةِ)، رقم ۲۹۴۱

۳ ملی مجلس شرعی کے اراکین کے نام مراسلہ: ۵/ جولائی ۲۰۲۰ء

۴ سورۃ الاحزاب: ۷۲ میں مذکور یہ وہی "عہدِ امانت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا۔ سب گھبرا گئے، لیکن انسان نے قبول کیا۔" علمائے کرام اس عہد امانت کو قرآن اور کلمہ طیبہ کے نام سے بھی واضح کرتے ہیں۔

ہر انسان سے 'عہدِ الست' کیا جو روزِ محشر میں وجہِ احتساب ہو گا، پھر ہر نبی ورسول علیہ السلام سے رسالتِ محمدی ﷺ پر ایمان لانے کا میثاق کیا۔ دنیوی زندگی میں اسلام کا آغاز بھی ایک عہد سے ہوتا ہے، اور یہ سب سے بڑا عہد ہے جو اللہ کے نبی ﷺ کے دستِ مبارک پر اللہ تعالیٰ سے کیا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

﴿وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَ لَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَ قَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ۝﴾ (النحل:۹۱)

"اور اگر تم نے اللہ سے کوئی عہد کیا ہو تو اسے پورا کرو۔ اور اپنی قسموں کو پکا کرنے کے بعد مت توڑو۔ جبکہ تم اپنے (قول و قرار) پر اللہ کو ضامن بنا چکے ہو جو تم کرتے ہو، اللہ اسے خوب جانتا ہے۔"

کلمہ طیبہ کے ذریعے ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی اللہ تعالیٰ کی ہدایات کی روشنی میں اس کے نبی کے اُسوۂ حسنہ پر گزارنے کا عہد کرتے ہیں۔ یہی عہدِ نبوی اسلامی حکومت کی اساس ہے جس میں حاکم اور محکوم کے حقوق و فرائض، اللہ کے دیے ہوئے احکام (وحی) کی روشنی میں گزارے جاتے ہیں۔ عہدِ اسلامی کے ذریعے ہی مسلمانوں میں سیاسی (بیعت)، ازدواجی زندگی (نکاح[1]) اور خرید و فروخت (بیع) کے معاہدے کیے جاتے ہیں۔

معاہدوں کی شرائط

① یہاں یہ واضح رہنا چاہیے کہ معاہدوں کے اندر درجہ بندی ہے اور مسلمانوں کے دیگر تمام ذیلی معاہدے اس بالاتر 'عہد اسلام' کی روشنی اور دائرہ کار میں طے پاتے ہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةِ اللهِ، إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ».[2]

"اللہ تعالیٰ کی معصیت میں کسی کی اطاعت نہیں، اطاعت تو صرف نیکی کے کاموں میں ہے۔"

② اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ

«كُلُّ شَرْطٍ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللهِ فَهُوَ بَاطِلٌ وَإِنْ كَانَ مِائَةَ شَرْطٍ، كِتَابُ اللهِ أَحَقُّ وَشَرْطُ اللهِ أَوْثَقُ».[3]

"ہر وہ شرط جو اللہ کی شریعت کے خلاف ہے، وہ کالعدم ہے اگرچہ سو شرطیں ہوں۔ اللہ کی کتاب سچی ہے، اور اس کی شرط زیادہ مضبوط ہے (جس کو بجالانا ضروری ہے)۔"

---

۱ جسے قرآن کریم نے 'میثاق غلیظ' یعنی پختہ وعدہ قرار دیا ہے۔ (النساء:۲۱)

۲ صحيح مسلم: كِتَابُ الْإِمَارَةِ (بَابُ وُجُوبِ طَاعَةِ الْأُمَرَاءِ فِي غَيْرِ مَعْصِيَةٍ...)، رقم ۴۷۶۵

۳ سنن ابن ماجه: كِتَابُ الْعِتْقِ (بَابُ الْمُكَاتَبِ)، رقم ۲۵۲۱

ان شرائط سے معاہدوں کے وقت ہونے والی ایسی شرطیں مراد ہیں، جو شریعتِ اسلامیہ کے بتائے احکام کو معطل یا باطل کرنے والی، حلال ومباح کو حرام اور حرام کو حلال کرنے والی نہ ہوں۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے سیدہ بریرہؓ کے معاہدۂ وَلاء کے وقت یہ ارشاد فرمایا تھا، جب سیدہ بریرہؓ سے مکاتبت کرنے والوں نے طے شدہ ادائیگی کے باوجود حق ولاء کو اپنے لئے برقرار رکھنے کی شریعت سے متجاوز شرط مقرر کردی تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے معاہدہ میں شرط مقرر ہوجانے کے باوجود سیدہ عائشہؓ کو اس کے غیر مؤثر ہونے کی وضاحت کی تھی کیونکہ خلافِ شریعت شرط پر فریقین رضامندی کا اظہار کردیں تب بھی وہ قانونی طور پر کالعدم ہی ہوتی ہے۔

اسی طرح اگر کوئی مسلمان اپنی رضاعی بہن سے نکاح کرلے تو نکاح کے میثاق غلیظ کے باوجود، نبی کریم ﷺ نے ایک عورت کی گواہی رضاعت کے بعد، شرعی حکم واضح ہونے پر صحابی عقبہؓ بن حارث کے نکاح کو باطل قرار[1] دیا۔ اسی طرح کوئی مضاربت کا معاہدہ یا وصیت کی ایسی تحریر جس میں شرعی شرائط کی مخالفت پائی جائے، اس کو ہو بہو معاہدے کی بجائے شرعی اُصولوں کے مطابق ہی نافذ کیا جائے گا۔ اور جتنی شرائط کی گنجائش شریعتِ اسلامیہ نے دی ہے، اُن کی پوری طرح پاسداری کی جائے گی۔

③ دوسرے پہلو سے دیکھیں تو ہر ایسا معاہدہ جو پہلے معاہدے کو متاثر کرنے والا ہو، یعنی معاہدے پر معاہدہ، اس کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں ہے۔ جیسا کہ نکاح پر نکاح اور سودے پر سودا کرنے سے شریعت میں روکا گیا ہے۔ اس معاہدے کی اتنی صورتیں ہی واجب الاتباع ہوں گی، جس سے سابقہ معاہدہ متاثر نہ ہو۔

④ شریعت نے جو آزادیاں انسان کو عطا کی ہیں، ان کو جبر وتہدید کے ذریعے، یا دھونس دھاندلی کے ذریعے چھینا بھی نہیں جاسکتا۔ جس طرح مشہور حدیث کے مطابق رضامندی کے بغیر لڑکا لڑکی کا نکاح نہیں ہوتا، اسی طرح امام مالک (م۱۹۳ھ) کے مشہور واقعہ کے مطابق جبری طلاق بھی نہیں ہوتی۔

⑤ یہ اہم اصول بھی پیش نظر رہنا چاہیے کہ معاہدوں کی پاسداری یک طرفہ نہیں ہے۔ اس میں فریقین معاہدوں کی پاسداری کی عہد اور کوشش کرتے ہیں، اور اگر ایک فریق کھلم کھلا معاہدے کو نظر انداز کرنے کی روش اپنالے تو دوسرے فریق کے لئے اس کی پاسداری کرنا شرعاً لازمی نہیں رہتا۔ جیسا کہ یہود مدینہ نے میثاق مدینہ اور مشرکین مکہ نے جب جب صلح حدیبیہ کی مخالفت کی، تو نبی کریم ﷺ نے یک طرفہ ان معاہدوں کا تحفظ نہیں کیا۔ مذکورہ اُصولوں کی مزید وضاحت آگے آرہی ہے۔

⑥ بعض انسانی اور اسلامی مفادات کا شریعت نے تعین کردیا اور بعض میں گنجائش دے دی ہے۔ کسی

---

[1] صحيح البخاري: كِتَابُ العِلْمِ (بَابُ الرِّحْلَةِ فِي المَسْأَلَةِ النَّازِلَةِ)، رقم ۸۸

معاہدے کا تعلق اس میں درج تفصیلات اور مدت سے ہوتا ہے جن کی پاسداری ضروری ہوتی ہے۔ غیر مسلموں سے ہونے والے معاہدے لمحہ بہ لمحہ بدلنے والے ملی مفادات کے تابع ہوتے ہیں، جن میں شرائط کی پوری پاسداری کرتے ہوئے بہتر پوزیشن حاصل کرنے کی داخلی کوشش جاری رکھی جاتی ہے۔ اور مقررہ مدت پوری ہوجانے پر اسکو برقرار رکھنا یا ختم کردینا، فریقین کے آزاد فیصلے پر موقوف ہوتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے دستِ مبارک پر ہونے والا میثاق مدینہ اور صلح حدیبیہ، بین الملّی سیاستِ نبویہ کا ایک زرّیں باب ہے، جس کو ایسے حالات پیش آنے پر دوبارہ بھی اختیار کیا جاسکتا ہے لیکن ان دونوں کو نبی کریم اور ملتِ اسلامیہ کی منزل مقصود قرار دینا، یا صلح حدیبیہ جیسے حالات کو قائم کرنے کی دعوت دینا یا اس کی کوشش کا کوئی بھی ذی شعور مسلمان قائل نہیں ہوسکتا۔ اس کی تفصیل بھی راقم نے اپنی کتاب میں اپنے مقام پر پیش کردی ہے۔

☜ جہاں تک 'قاصدوں کو قتل کرنے کی ممانعت' کی حدیث کا تعلق ہے جو اوپر ذکر کی گئی ہے، اس کو عام حکم قتل سے نبی کریم ﷺ نے ہی خاص کردیا ہے، اس بنا پر اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں۔ تاہم اگر کوئی ایسی عرفی یا طے شدہ شرط ہو جس کی گنجائش شریعت مطہرہ میں نہیں ملتی، اور وہ شرعی نصوص کے خلاف ہو تو پھر سیدہ بریرہؓ کے معاہدہ ولاء کی شرطوں کی طرح اس کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں ہے۔

گویا مسلمان فردی واجتماعی زندگی کے ہر دائرے میں میں شرعی رہنمائی سے بالاتر اور غافل نہیں ہوسکتے، اور ان کے عمرانی معاہدے بھی انہی شرعی حدود پر قائم اور عہدِ اکبر کی نگرانی[1] میں ہوتے ہیں اور یہی اسلام

---

1 صلح ناموں میں کمتر شرائط کو بھی قبول کیا جاسکتا ہے، لیکن سیرتِ طیبہ سے علم ہوتا ہے کہ وہ شرائط دعوتِ اسلامی کے نقیض اور اسلامی تعلیمات کے منافی نہ ہوں۔ جیسا کہ مشرکین مکہ نے نبی کریم ﷺ سے اپنے معبودوں کو برا کہنے سے روکنے پر حکومت کی پیش کش کی تھی، لیکن نبی کریم نے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے میں چاند لادینے پر بھی اس بنیادی دعوت سے گریز پر صلح نہیں کی۔ (۱) صلح حدیبیہ میں بعض نئے آنے والے مسلمانوں کے ملی اُخوت کے حقوق سے وقتی دستبرداری پر بھی نبی کریم ﷺ نے صلح کی تھی اور قرآن کریم اس بارے میں رہنمائی دیتا ہے: ﴿وَ اِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ﴾ (الانفال: ۷۲) ''اور اگر وہ تم سے دین کے کام میں مدد چاہیں تو تمہارے ذمے مدد کرنا واجب ہے مگر اس قوم کے مقابلہ میں نہیں کہ تم میں اور ان میں باہم عہد (صلح کا) ہو۔'' (۲) معاہدۂ نجران میں نبی کریم ﷺ نے جزیہ دینے پر، عیسائیوں کے علما اور گرجاگھروں کو تحفظ دینے پر صلح کی تھی۔ (۳) اسی طرح صلح حدیبیہ میں عقیدۂ رسالت کو صلح کے سرنامہ میں درج نہ کرنے پر صلح کی تھی، کیونکہ یہی تو اختلاف کا بنیادی نکتہ تھا، نہ کہ اس امر پر کہ نبی کریم ﷺ رسالت کی دعوت کو ہی چھوڑ دیں گے لیکن اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑا کیونکہ رسول کریم ﷺ نے نبوی حیثیت میں قریش سے معاہدہ کرنے کی بجائے محمد بن

وطاعتِ (نبوی) کا اصل منشا ہے۔ امام ابو العباس احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

"لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ أَنْ يَخْرُجَ عَنْ الشَّرِيعَةِ فِي شَيْءٍ مِنْ أُمُورِهِ، بَلْ كُلُّ مَا يَصْلُحُ لَهُ فَهُوَ فِي الشَّرْعِ مِنْ أُصُولِهِ وَفُرُوعِهِ وَأَحْوَالِهِ وَأَعْمَالِهِ وَسِيَاسَتِهِ وَمُعَامَلَتِهِ وَغَيْرِ ذَلِكَ."[1]

"انسان کیلئے جائز نہیں کہ اپنے اُمور میں کسی بھی طور پر شریعت سے باہر نکلے۔ بلکہ اس کے لئے مفید ہر چیز شریعت میں موجود ہے۔ اس کے اُصول و فروع، احوال واعمال، سیاسیات و معاملات وغیرہ۔"

مزید لکھتے ہیں:

"لو وُلّي شخص وكان شرط توليته أن يحكم بغير حكم الله ورسوله أو لا يتبع قواعد العدل التي أمر بها الشرع أو أمر بما يخالف حكم الله فإن الشرط يقع باطلا ولا يعتد به."[2]

"اگر کوئی شخص اس شرط پر حاکم بنایا جائے کہ وہ اللہ کی شریعت کو چھوڑ کر فیصلہ کرے گا، یا نظام عدل میں شریعت کی اتباع کا پابند نہیں ہوگا، یا ایسے احکام جاری کر سکے گا جو شریعت کے مخالف ہوں تو ایسی تمام شرطیں رصورتیں باطل ہیں، ان کا کوئی اعتبار نہیں۔"

مشہور مسلم ماہر عمرانیات علامہ عبد الرحمٰن ابن خلدون لکھتے ہیں:

"إن سياسة الدنيا مقيدة بالدين، وعلل ذلك بأن أحوال الدنيا ترجع كلها عند الشارع إلى اعتبارها بمصالح الآخرة."[3]

"دنیا کی تمام مصلحتیں دین کے ساتھ مشروط ہیں۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کے ہاں دنیا کے تمام حالات کا انجامِ کار آخرت میں ان کے نتائج وفوائد پر موقوف ہے۔"

عبد اللہ (ﷺ) کی ذاتی حیثیت میں معاہدہ کر لیا تھا۔

اس لحاظ سے شریعتِ اسلامیہ میں معاہدۂ صلح کی کہاں تک حدود ہیں، اس کا تحقیقی مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔ ایسے ہی وہ تمام عرف بھی معتبر ہیں جن کا شارع نے لحاظ کیا ہے۔ اصل سوال اس تعامل و عرف کا ہے جس کی مخالفت اور اس کا منکر ہونا شریعت سے ثابت ہو، جیسا کہ بلادِ اسلامیہ میں مسلمانوں کو کفر کی دعوت کی عام اجازت اور اسلامی تعلیمات سے ٹکراؤ کی اجازت دینا وغیرہ، جن کی ممانعت شریعت کے دیگر دلائل سے ثابت ہے۔

1. مجموع فتاوی ابن تیمیہ: ۹/۳۰۷
2. قاعدة في العقد از ابن تیمیہ: ص ۱۵ تا ۱۷
3. مقدمہ ابن خلدون: ص ۱۹۱

غیر مسلموں کے ہاں معاہدے اور ان کی حیثیت

پوری حیاتِ انسانی معاہدوں کی پاسداری پر ہی موقوف ہے، حتیٰ کہ اسلام کو نہ ماننے والے 'کافر' بھی انہی معاہدوں پر اپنی زندگی کو منحصر کرتے اور ان کو پورا کرنے کا بظاہر دعویٰ ضرور کرتے ہیں۔ معاہدوں کی اہمیت کا یہ عالم ہے کہ شریعت اسلامیہ کی ہدایت سے بے بہرہ اور طاعتِ نبوی کا معاہدۂ عظمیٰ نہ کرنے والے بھی اپنے معاشروں میں سماجی معاہدہ Social Contract کے تحت ہی زندگی گزارتے ہیں جس میں وہ حاکم کے فرائض اور اپنے حقوق کو اپنی اکثریت کے طے کردہ فیصلہ سے متعین کرتے ہیں۔ اسی طرح ان میں نکاح وبیوع کے معاہدے بھی ان کے من چاہے اُصولوں پر قائم ہوتے ہیں۔ اگر اکثریت یہ فیصلہ کردے کہ لڑکے کی لڑکے سے شادی کرنا جائز ہے تو ایسے معاہدے کے جواز کو جاری کردیتے ہیں۔

وہ بھی یہ مانتے ہیں کہ اگر ملکی قانون سے بالا کوئی معاہدہ ہوجائے تو وہ قوانین کی درجہ بندی کرکے بالاتر قانون کو ترجیح دیتے ہیں جیسا کہ دستوری معاہدہ، قانون ساز اسمبلی کی ذیلی قانون سازی سے بالاتر اور ان پر نگران ہوتا ہے۔

ان چند اشاروں کے بعد مروّجہ قومی معاہدوں کی حیثیت کے بارے میں مختصراً عرض ہے کہ

اوّل: مولانا مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ کے موقف پر تبصرہ

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی نے مندر کی تعمیر کے موقع پر یہ موقف اختیار کیا ہے کہ

> "پاکستان جیسے ملک میں جو صلح سے بنا ہے، وہاں ضرورت کے مطابق نئی عبادت گاہ بناسکتے ہیں۔ لیکن حکومت کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے خرچ پر مندر تعمیر کرے خاص طور پر ایسی جگہ جہاں ہندو برادری کی آبادی بہت کم ہو۔"[1]

کیا پاکستان شرعاً ارضِ صلح ہے؟ ہم ذکر کرچکے ہیں کہ معاہدوں کی غیر معمولی اہمیت کے ساتھ ساتھ، شریعت میں معاہدہ کی حدود وشرائط کی پاسداری کرنا بھی انتہائی ضروری ہے۔ اور شرعی حدود سے بالاتر معاہدوں کو شریعت کے منصوص اور بڑے معاہدوں کی روشنی میں ہی سمجھا جائے گا۔

① قیامِ پاکستان کے جس معاہدہ صلح (تقسیم ہند کونسل) کا حوالہ دیا جاتا ہے، وہ ۲۲ر جولائی ۱۹۴۷ء کو قائداعظم محمد علی جناح اور سردار ولبھ بھائی پٹیل کے ساتھ، برطانوی وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے کیا تھا۔ جس

1 https://urdu.geo.tv/latest/225636

میں جنگ عظیم دوم کے بعد کمزور پڑتے ہوئے برطانوی استعمار نے اپنی شرائط پر ہند و پاک کے دو مستقبل کے ممالک کو ایسی محدود آزادی عطا کی تھی جس میں مغربی اقوام کے نظریات اور قوتوں کے محافظ ادارے: اقوام متحدہ کے اُصولوں کی پاسداری کرنا لازمی قرار پایا تھا۔ بظاہر اسی کو مولانا عثمانی نے معاہدۂ صلح قرار دیا ہے، جس کو عام طور پر 'اعلانِ آزادی' بھی کہہ دیا جاتا ہے۔

دوسری طرف اسلامی شریعت اور مسلم تاریخ ہمیں جس معاہدہ صلح سے باخبر کرتی ہے، وہ جہاد کے نتیجے میں بزور طاقت یا صلح کے طور پر حاصل ہونے والی سرزمین سے متعلق ہے جس میں مسلمانوں کی شرائط پر مغلوب قوت کو کچھ حقوق[1] دیے جاتے ہیں۔ پیش نظر تحقیق میں راقم نے ایسے نصف درجن معاہدے ذکر کئے ہیں جن پر شرعاً ارضِ صلح کا اطلاق ہوتا ہے۔ جب یہ امر ظاہر و باہر ہے کہ نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین کے کئے صلح ناموں اور آزادی پاکستان کے صلح ناموں کی نوعیت میں ہی جوہری فرق ہے، تو پھر دونوں کے احکام صلح کو کس طرح ایک دوسرے پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔ جن علمائے کرام نے ارضِ پاکستان کو ارض صلح قرار دے کر اس کے احکام واضح کرنے کی کوشش کی ہے، انہوں نے معاہدہ کے مشترک لفظ سے، پاکستان کو وہی ارضِ صلح قرار دے لیا ہے۔ حالانکہ تیرہ صدیوں کی اسلامی تاریخ میں، یا اقوام متحدہ بننے سے قبل تک، اسلامی تاریخ میں ایسے صلح ناموں کی کوئی مثال نہیں ملتی جس پر شریعت کی بیان کردہ 'ارضِ صلح' کا اطلاق[2] کیا جائے۔

---

1 اسلامی تاریخ میں ایسے صلح نامے بھی ملتے ہیں جن میں غیر مسلموں سے بظاہر برابری کی سطح پر معاہدے کئے گئے، جیسا کہ یہودیوں سے صلح مدینہ (جسے 'میثاقِ مدینہ' بھی کہتے ہیں) اور مشرکین سے صلح حدیبیہ... تو دونوں میں کوئی 'ارضِ صلح' مسلمانوں کو نہیں ملی۔ صلح مدینہ میں یہود نے نبی کریم ﷺ کو اپنا منصف تسلیم کر لیا تھا، اور یہود سے مشترکہ دفاع کا معاہدہ کیا گیا تھا، تاہم دونوں کے مابین قومی سطح پر مشترکہ حقوق و فرائض کی اس سے زیادہ تفصیل نہیں ملتی کہ اُنہوں نے نبی کریم کی غیر مشروط اطاعت ہی قبول کر کے انہیں اپنا حاکم مان لیا ہو، اور اس وقت پورے مدینہ طیبہ پر نبی کریم ﷺ کی حکومت بھی قائم نہیں ہوئی تھی۔ بزعم بعض مسلمان اور یہودی نبی کریم ﷺ کی حکومت کے تحت برابر کے شہری تھے تو جنگِ احزاب کے بعد، یہود کو مدینہ سے نکالا کیوں گیا تھا اور ان کے شہری حقوق کالعدم کیوں کر دیے گئے تھے۔ جہاں تک صلح حدیبیہ کی بات ہے تو وہاں بھی کسی ارض صلح کی بجائے چند در چند اُصولی معاہدے ہی تھے۔

2 بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ صدیوں سے مسلمان ارضِ ہند کو فتح کر کے اس پر حکومت کرتے آرہے تھے۔ انگریز نے ایسٹ انڈیا کی تجارتی کمپنی کے معاہدے کے ذریعے اس سرزمین پر قدم رکھا۔ اپنے تجارتی معاہدے سے مسلسل تجاوز کرتے، اور لگاتار سازشیں کر کے آخر کار وہ مسلمانوں کی اس مفتوحہ سرزمین پر قابض و غاصب ہو گئے۔ ۱۹۴۷ء میں اس قبضہ و غصب کو چھڑانے کے لئے مسلمانوں کے پاس ایک عبوری معاہدہ کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا، جو بہر طور مسلمانوں کی حقیقی اور آخری منزل نہ تھی۔ یہ تو دوران جہاد پلٹ کر جھپٹنے یا وقتی پس اندازی کا وہ مرحلہ ہے جس کا ﴿أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِئَةٍ...﴾ میں بطورِ عبوری تدبیر کے ہی جواز بیان ہوا ہے۔ یہی پاکستان کے 'ارضِ صلح' ہونے کی شرعی حقیقت ہے۔

☜ عجیب تر بات ہے کہ غیروں کی محکومیت کے لئے تو ہم ماضی کے فقہی احکام سے مثالیں لے آتے ہیں لیکن جب مسلمانوں کے غلبہ اور فروغ دین کی بات آئے تو ہم اسے کلاسیکل فقہ یا تبدیلی حالات قرار دے کر، پابندی سے نکل جاتے ہیں حالانکہ رعایت اور پابندی ہر دو میں فقہی جزئیات کی بجائے کتاب وسنت کے وہ شرعی احکام ہی اصل معیار و میزان ہیں جو زمان ومکان سے بالاتر تا قیامت واجب الاتباع اور جاری وساری ہیں۔

☜ ایسا ہی ایک صلح نامہ شریف مکہ کے بیٹوں کے ساتھ برطانوی حکام نے ۱۹۲۰ء کے آس پاس کیا تھا، جس کے تحت خلافتِ عثمانیہ سے بغاوت کرنے کے انعام کے طور پر شریفِ مکہ شاہ حسین بن علی کے غدارِ خلافت بیٹوں کو عراق اور اُردن میں حکومت عطا کی گئی۔ عراق میں شریف مکہ کے بیٹے فیصل اوّل کی بادشاہت کا آغاز ہوا جو ۱۹۵۸ء کے انقلاب تک ۴۰ برس جاری رہی جبکہ ارض اُردن میں آج بھی یہی شریفِ مکہ کی آل اولاد حکمران چلے آتے اور اپنے آپ کو آلِ رسول 'قریشی ہاشمی' کہلاتے ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس صلح کے احکام بھی وہی ہوں گے جو سیدنا عمرو بن العاص، سیدنا خالد بن ولید اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہم کے معاہدات کے نتیجے میں ملنے والی ارضِ صلح کے احکام ہیں، جن میں لفظ 'عہد' یا 'صلح' کے علاوہ کوئی بات ہی مشترک نہیں۔

الغرض قیام پاکستان کے معاہدے کو، خلفاے راشدین والی ارض صلح قرار دینا قیاس مع الفارق ہے۔ جب اس معاہدہ کی نوعیت، مسلم فاتحین کے معاہدوں سے بالکل مختلف ہے تو اس کے نتائج واحکام کو بھی صلح کے مشترک لفظ کی بنا پر، مسلم فتوحات کے معاہدوں پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ خلافتِ راشدہ کے سب صلح ناموں کے متن ملاحظہ کریں۔ ان میں اسلامی عساکر نے کفار کو اپنی شرائط پر صلح کرنے پر آمادہ کیا اور اسلامی احکام کو غالب رکھتے ہوئے چند پہلوؤں سے کفار کو تحفظ فراہم کرنے کا معاہدہ کیا۔ ان صلحوں میں مسلمان بالاتر حیثیت میں رہتے ہوئے، فریق مفتوح کو بعض چیزوں کی امان دیا کرتے، جبکہ یہاں برطانوی غالب فریق نے اپنی مجبوریوں کی بنا پر، جاتے ہوئے بعض عمرانی شرائط جبراً منوا کر قیام ہندوپاک کا مشروط معاہدہ کیا تھا۔

نبی کریم ﷺ نے تو مشرکین مکہ کے اُصول ونظام کے تحت حکومت قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا، کیونکہ اسلام میں نری حکومت مقصد نہیں بلکہ اس کے ذریعے اللہ کے احکام کا فروغ مقصود ہے۔

☜ پھر قیام پاکستان کو معاہدۂ صلح باور کرنے سے کہیں بہتر ہے کہ اسے 'غاصبوں کا جبر وظلم' قرار دیا جائے جو برصغیر پر چھ صدیاں پُر شکوہ حکومت کرنے والوں کے ساتھ برطانوی سامراج نے روا رکھا کہ جاتے ہوئے ایک وسیع سرزمین میں تجارت کی اجازت کے نام پر گھسنے والے، سازشوں سے حکومت کرکے، ایک سرحدی پٹی مسلمانوں کے حوالے کرنے پر مجبور ہوئے۔ اس دوران اربوں ڈالرز ارضِ ہند سے برطانیہ پہنچائے گئے، ہندوستانی قوم کو سو فیصدی تعلیم کی روشنی سے نکال کر، جہالت کے اندھیروں میں پھینک دیا گیا۔ مسلمانوں کو

ہندوؤں کے زیر اثر کرنے اور کمزور کرنے کی ہر تدبیر اور سازش اس برطانوی دور میں ہوئی تھی۔ ہندوؤں کے ساتھ ساز باز کرکے، مسلم قوم کو تباہ و برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی اور کشمیر وحیدر آباد اور جونا گڑھ جیسے بہت سے سلگتے مسائل مسلمانوں کے لئے چھوڑ دیے گئے۔ یہ تو انگریز کا ایسا معاہدۂ 'صلح' تھا جو بیک وقت دو محکوم طاقتوں: ہندو اور مسلمانوں سے کیا گیا۔

مولانا ابو الکلام آزاد سے جیل میں ان کی اہلیہ نے برطانوی حکام سے معافی نامہ لکھنے کی درخواست کی تو مولانا نے کہا کہ میں غاصبوں سے کبھی رحم کی بھیک نہیں مانگ سکتا۔ یہ ہے اس قوم سے صلح کی حقیقت!!

④ شرعی ارضِ صلح کا نتیجہ تو یہ بھی ہوتا ہے کہ وہاں کی زمین عشری کی بجائے خراجی قرار پاتی ہے کیونکہ ان غیر مسلموں سے عشر کی بجائے خراج لیا جاتا ہے جبکہ پاکستان کی زمین کے خراجی ہونے کا قول اور اس پر فتویٰ دینا، ایک بڑا نادر و شاذ موقف[1] ہے۔

③ مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب نے اپنے بیان میں پاکستان کو ارضِ صلح قرار دینے کی بنا پر اسلام آباد میں مندر کی تعمیر پر کوئی شرعی اعتراض کرنے کی بجائے صرف مسلم حکومت کے اُن سے تعاون پر اعتراض کو کافی سمجھا ہے۔ حالانکہ بت پرستی پر حکومت کا تعاون تو ناجائز ہے ہی، اس کے ساتھ ارضِ صلح میں نئے معابد بنانا بھی بالاجماع ناجائز[2] ہے۔ بالخصوص جبکہ وہ مسلمانوں کے اسلام آباد جیسے کسی نئے آباد شدہ شہر میں بنائی جائے، تو اس وقت اس کی حرمت میں تو کوئی شبہ نہیں رہ جاتا۔ جہاں تک اس سلسلے میں سیدنا ابن عباسؓ کے اساسی موقف پر فقہی اقوال اور اجماع کا تعلق ہے تو ان کو مستقل کتاب میں دیکھا جا سکتا ہے، نیز اسلام آباد میں نئے مندر کی تعمیر کو ایک اہم تاریخی مثال: قاہرہ جیسے نئے اسلامی شہر میں نئے معابد کی تعمیر سے بھی سمجھا جا سکتا ہے، جس کی پوری تفصیل بھی راقم کی کتاب میں موجود ہے۔

دوم: بھارت سے مساوی مذہبی حقوق کا معاہدہ؟

بعض اہل علم نے قیام پاکستان کے بڑے معاہدے کی بجائے، نہرو۔ لیاقت معاہدے ۱۹۵۰ء (معاہدۂ دہلی) کا

---

۱ 'اسلامی ریاست کا مالیاتی اور بنکاری نظام' از پروفیسر رفیع اللہ شہاب: ص ۱۴۵

۲ جیسا کہ فتح مکہ کے بعد اہل طائف نے 'لات' نامی بت کا معبد خانہ باقی رکھنے کی شرط پر صلح کی پیش کش کی تو نبی کریم ﷺ نے اسے قبول نہ کیا اور سیدنا مغیرہ بن شعبہ اور سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہم کے ذریعے اس کو منہدم کروا دیا۔ دیکھیں: ص ؟؟؟
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان حاکم کے لئے لازمی نہیں کہ وہ ضرور کفریہ معابد کی بقا کے تحفظ کا ہی معاہدہ کرے۔
قاضی ابو المحاسن الرویانی شافعی (م ۴۹۴ھ) لکھتے ہیں: وَلَوْ صَالَحَهُمْ عَلَى التَّمْكِينِ مِنْ إِحْدَاثِهَا فَالْعَقْدُ بَاطِلٌ. (فتاوى السبكي: ۲/ ۴۰۵) "اگر وہ ان سے نئی عبادت گاہیں بنانے کی اجازت پر صلح کرلے تو یہ عقد باطل ہوگا۔"

حوالہ دیا ہے جس کی رو سے دونوں ممالک میں اقلیتوں کو مذاہب سے قطع نظر یکساں شہری حقوق حاصل ہوں گے۔ اور اقلیتوں کے یہ حقوق بنیادی حقوق میں شامل سمجھے جائیں گے۔ وغیرہ وغیرہ[1]

چنانچہ ملی مجلس شرعی کے نائب ناظم علامہ خلیل الرحمٰن قادری لکھتے ہیں:

"مندر کی تعمیر کے حوالے سے میری معروضات: میں فقہاے احناف کی آرا کا احترام کرتا ہوں لیکن ان کی تعبیرات کو یہاں منطبق کرنا محل نظر ہے کیونکہ نہ تو پاکستانی غیر مسلم ذمی ہیں اور نہ ہی مذہبی وسماجی حقوق کے اعتبار سے ان کی حیثیت مسلمانوں سے کم ہے اور یہ حیثیت اُنہیں تحریری معاہدہ نے دی ہے۔ اس معاہدہ میں جب پاکستان نے ان کی اس حیثیت کو قبول کیا تو معاہدہ ہی میں اعتراف کیا کہ ہمارے آئین میں قراردادِ مقاصد موجود ہے جو غیر مسلم پاکستانیوں کی اس حیثیت کو آئینی تحفظ فراہم[2] کرتی ہے۔

یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ یہ معاہدہ نواز شریف یا زرداری وغیرہ نے نہیں کیا تھا بلکہ لیاقت علی خان جیسے مخلص اور دین دوست وزیر اعظم نے کیا تھا۔ ہمیں اس معاہدہ کا پس منظر بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ یہ دوطرفہ فسادات کو روکنے کے لئے کیا گیا تھا جو کہ بجائے خود ایک ارفع مقصد تھا۔

ہمیں یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہیے کہ یہ معاہدہ اسلامی ریاست کا غیر مسلم اقلیتوں سے براہِ راست نہیں طے پایا تھا بلکہ یہ دو ریاستوں کے مابین برابری کی بنیاد پر طے پایا تھا جس میں کوئی ایک ریاست نہ فاتح تھی اور نہ ہی مفتوح۔ ایسے معاہدات مطلقاً کسی ایک فریق کی خواہش پر طے نہیں پایا کرتے بلکہ معروضی حالات میں کچھ لو اور کچھ دو کے اُصول پر طے پاتے ہیں۔ اس فقیر کی یہ دیانت دارانہ رائے ہے کہ اگر لیاقت علی خان کی جگہ پر معاہدہ کے معترضین جید علماء خود بھی ہوتے تو یہی معاہدہ عمل میں آتا، یا دوطرفہ فسادات کا سلسلہ جاری رہتا

---

1 https://baaghitv.com/modi-blames-jawahar-lal-about-current-situations-of-india/

۲ اس آئینی تحفظ کی حقیقت مختصر املاحظہ یہ ہے کہ قراردادِ مقاصد جو دستورِ پاکستان کا کلمہ ہے، کا پہلا جملہ "اللہ تعالیٰ ہی پوری کائنات کا بلاشرکت غیرے حاکم مطلق ہے۔" بتاتا ہے کہ یہ دستور اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے قیام اور اس کے دیے گئے فرائض واختیارات کی تکمیل کے لئے بنایا گیا ہے۔ یہ جملہ پاکستانی دستور کے مقتدرِ اعلیٰ کا تعین کرتا ہے، یعنی پاکستان میں ریاست کے جملہ اختیارات اس مرکزی نظریۂ اقتدار اعلیٰ سے ماخوذ ومشروط ہوں گے۔ قراردادِ مقاصد کا تیسرا جملہ "جس میں جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور عدل عمرانی کے اصولوں پر جس طرح اسلام نے ان کی تشریح کی ہے، پوری طرح عمل کیا جائے گا۔" بتاتا ہے کہ انسانی حقوق کے مسلّمہ اُصول پاکستان میں اسلام کی تشریح کے تابع ہیں۔ اور اسلامی شریعت ہی ان اُصولوں پر بالاتر ہے اور ان کو اسلامی شریعت کی روشنی میں ہی سمجھا جائے گا۔ اس سے اگلا جملہ "پاکستان عدل عمرانی کے اسلامی اصولوں پر مبنی ایک جمہوری مملکت ہوگی۔" سے بھی اسلامی اصولوں کی عمل داری اور اہمیت د ترجیح کا علم ہوتا ہے۔

جو خونریز جنگ پر منتج ہوتا۔

اس معاہدہ کو حدیبیہ کے معاہدہ کے تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے اور اس سے اس معاہدہ پر براہ راست روشنی پڑتی ہے کیونکہ یہ بھی دو مختلف ریاستوں کے درمیان طے پایا تھا، اس میں کسی ایک فریق کی خواہش کے مطابق شرائط نہیں طے ہوئی تھیں بلکہ دیکھا جائے تو حضور ﷺ نے بظاہر کمزور شرائط پر معاہدہ فرمایا تھا جس کا اظہار حضرت عمرؓ نے کر بھی دیا تھا۔ احرام پہننے کے باوجود عمرہ ادا کیے بغیر واپسی کی شرط کو مانا، یہاں تک تحریری معاہدہ سے 'رسول اللہ' کے الفاظ کو مٹانا پڑا۔ دیگر شرائط کو بھی اہل علم مجھ ناچیز سے زیادہ بہتر سمجھتے ہیں۔ الغرض ایسے معاہدات کبھی بھی کسی ایک فریق کی خواہش پر نہیں ہوتے، لہٰذا معاہدہ کو ہدف تنقید بنانے سے پہلے ہمیں مذکورہ پہلو بھی سامنے رکھنا ہوں گے۔ اگر معاہدہ توڑنے کا مطالبہ بھی کرنا ہے تو بھی ان عواقب کو پیش نظر رکھنا ہوگا جن کا سامنا ہمارے بھارتی مسلمانوں کو وہاں کرنا پڑ سکتا ہے۔"[1]

تبصرہ وتجزیہ

① معاہدہ نبوی بالاتر ہے اور معاہدہ پر معاہدہ حرام ہے! اس سیاسی دو قومی معاہدے کو بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے کیے ہوئے معاہدے یعنی شریعت کی اُصولی تعلیمات کی روشنی میں ہی دیکھنا ہوگا۔ پہلے تو یہ بات سمجھنا ہوگی کہ پیش نظر معاہدہ کل حقیقت نہیں بلکہ معاہدۂ نبوی اصل اور اوّلین حقیقت ہے۔ معاہدے غلط بھی ہوسکتے ہیں، جیسا کہ مغربی انسانی حقوق کے نعرے 'آزادی اظہار' سے اگر کوئی توہین رسالت کا جواز نکالنا شروع کردے۔ یا مغرب کے پیش کردہ انسانی حقوق میں مذہبی حقوق سے کوئی مسلمانوں کو کفر کی دعوت دینے کا حق نکال لے اور بت کدے تعمیر کرنا شروع کردے تو ہم ایسے معاہدوں کی ایسی تشریح کریں گے، جو شرعی تعلیمات سے بھی ہم آہنگ ہو نہ کہ معاہدہ کے نام پر اس کو رواج دینے لگ جائیں گے۔

اگر کسی وقت لاعلمی یا مجبوری سے ایسا معاہدہ ہو جائے، جیسے کوئی شخص ایک تہائی سے زیادہ مال کی وصیت کر جائے تو اس کی وصیت کو شرعی تعلیمات کے دائرے میں ہی جاری کرنا ہوگا۔ کیونکہ یہ امر بالکل واضح ہے کہ ہر ایسا معاہدہ جو پہلے معاہدے کو متاثر کرنے والا ہو، یعنی معاہدے پر معاہدہ، اس کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں ہے۔ جیسا کہ نکاح پر نکاح کرنے اور سودے پر سودا کرنے سے شریعت میں روکا گیا ہے۔ اس معاہدے کی اتنی صورتیں ہی واجب الاتباع ہوں گی، جو شرعی حدود کے اندر ہیں۔ اور صورتِ واقعہ واضح ہونے کے ساتھ ہی

---

۱ 'ملی مجلس شرعی' کے اراکین کے نام مراسلہ: ۷/جولائی ۲۰۲۰ء

حکام کو اس بات کو واضح کر دینا چاہیے۔

② کتاب اللہ کے خلاف شرائط غیر معتبر ہیں: پیچھے سیدہ بریرہؓ کے معاہدۂ ولا کے سلسلے میں نبی کریم ﷺ کا واضح فرمان بھی ہم بیان کر چکے ہیں کہ شرط طے ہو چکنے کے باوجود نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کتاب وسنت کے مخالف شرط کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور یہ شرعاً معاہدہ توڑنا قرار نہیں پائے گا، بلکہ اوّلین نبوی معاہدے سے ملنے والے شرعی احکام سے تجاوز کی بنا پر غیر معتبر ہو گا۔

③ ایسی ارض صلح کی تاریخ اسلامی میں کوئی مثال نہیں ہے: یہ بھی پہلے گزر چکا ہے کہ جب معاہدے کی حالیہ صورتیں اسلامی تاریخ میں موجود صورتوں سے سراسر مختلف ہیں، اور اقوام متحدہ کی صورت میں مغرب کی عالمی حکومت کے قیام سے قبل اس نوعیت کی کوئی صلح اسلامی تاریخ میں نہیں ملتی، تو پھر اس پر ارض صلح کے احکام کس طرح لاگو کئے جاسکتے ہیں۔ ایسی صورت میں تو شریعت محمدیہ کے عام اصولوں کو پیش نظر رکھا جائے گا، کہ اسلامی قلم رو میں دو قبلے نہیں ہو سکتے، مسلمانوں کو کفر کی دعوت نہیں دی جاسکتی، اور مسلمانوں پر کفر کو غالب کرنے کا معاہدہ نہیں ہو سکتا۔

④ کلی مساوی مذہبی حقوق پر وطنی ریاست قائم کرنا شریعت سے تجاوز ہے: یہ سوال بھی اُصولی طور پر قابل غور ہے کہ قرآن وسنت کی کس نص کی بنا پر ایسا معاشرہ تشکیل دیا جاسکتا ہے جہاں مسلمان اور غیر مسلمان دونوں بالکل برابر حیثیت میں رہائش پذیر ہوں، جیسا کہ وطنیت پر قائم قومی ریاست کا بنیادی نظریہ ہی یہ ہے کہ نظریہ کی بجائے، شہریت وعلاقہ کی بنا پر مساوی حقوق دیے جاتے ہیں۔ قرآن وسنت کی نص تو کجا، کیا کسی فقیہ کے قول میں بھی اس کی کوئی مثال یا گنجائش ملتی ہے، اسلامی تاریخ میں کبھی ایسا ہوا ہو اور کسی نے اس کو شرعاً قبول کرتے ہوئے جائز بھی قرار دیا ہو۔

بلکہ ہم تو یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ آج سعودی عرب کی یمن سے جنگ کا معاملہ ہو، یا پاکستان کو کشمیر پر ملت اسلامیہ کی حمایت درکار ہو، شام وفلسطین، لیبیا وبرما اور ہندوستان کے مسلمانوں کی ہر دم بڑھتی مشکلات کی بنیادی اور اہم ترین وجہ یہی اقوام متحدہ کا قائم کردہ مغربی نظریۂ وطنی ریاست ہے۔ جس نے امت کو سیاسی افتراق اور علاقائی اغراض میں بانٹ دیا ہے۔ حتی کہ بعض ملی غیرت سے عاری امارات وبحرین جیسے مسلم ممالک تو اسی نظریہ وطنیت کی بنا پر اسرائیل کے ساتھ وفاداری اور فلسطینی مسلمانوں کے ساتھ غداری کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

یہ جان لینا چاہیے کہ اگر میثاقِ مدینہ کی صورت میں وطنی معاشرت کا کوئی امکان ملتا ہے تو وہ اسی طرح کا ایک عبوری مرحلہ ہے، جیسے قیام پاکستان کے ابتدائی سالوں (۱۹۵۶ء تک) میں یہاں تاجِ برطانیہ کا نام لیا جاتا

تھا۔ اور پاکستان کے سب سے بڑے عہدیدار صدر کی بجائے 'تاجِ برطانیہ کے گورنر جنرل' کے عہدے کا حلف اُٹھایا کرتے تھے۔ اس عبوری دور کی دعوت دینے، اس کو اصول بنانے اور جاری کرنے کی بجائے، اس سے جلد از جلد نکلنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

☜ میثاقِ مدینہ کو دورانِ جنگ اس پس اندازی اور پیچھے ہٹنے کے جواز سے بھی بخوبی سمجھا جاسکتا ہے جس کی حیثیت وقتی تدبیر سے زیادہ نہیں۔ اللّٰہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ ﴾ (الانفال:١٦)

"اور جو کوئی اس دن دشمن سے اپنی پیٹھ پھیرے، ماسوائے اس کے جو لڑائی کے لیے پینترا بدلنے والا ہو، یا کسی جماعت کی طرف جگہ لینے والا ہو تو یقیناً وہ اللّٰہ کے غضب کے ساتھ لوٹا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ لوٹنے کی بری جگہ ہے۔"

مولانا عبد الرحمٰن کیلانی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"پوری فوج کی جنگی پالیسی ہی یہ ہو کہ اس مقام سے ہٹ کر فلاں مقام سے حملہ کرنا زیادہ سود مند ہو گا یا کوئی فوجی دستہ وہاں سے ہٹ کر اپنے مرکز سے جاملنا چاہتا ہو، یا کوئی فرد پینترا بدلنے کی غرض سے پیچھے ہٹ آیا تو ایسی سب صورتیں جنگی تدبیریں کہلاتی ہیں۔ اُنہیں جنگ سے فرار یا پسپائی نہیں کہا جاتا بلکہ فرار سے مقصد ایسی پسپائی ہے جس سے محض اپنی جان بچانا مقصود ہو اور یہ گناہِ کبیرہ ہے اور رسول اللّٰہ ﷺ نے اس فعل کو ان سات بڑے بڑے گناہوں میں شمار کیا ہے جو انسان کو ہلاک کر دینے والے ہیں۔ (بخاری، کتاب المحاربین، باب رمی المحصنات)"

⑤ دوطرفہ پاسداری: معاہدوں کی پاسداری کے سلسلے میں جس طرح یہ واضح ہے کہ دوسرا معاہدہ، پہلے معاہدے کو توڑنے والا نہیں ہونا چاہیے، شرعی تعلیمات کے مطابق ہو، عین اسی طرح مسلمان یک طرفہ طور پر معاہدوں کی پاسداری کے پابند نہیں ہیں۔ بلکہ اگر فریق مقابل اپنا معاہدہ توڑ دے تو قرآن وسنت سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ مسلمانوں کے لئے بھی ان معاہدوں کی پابندی ضروری نہیں رہتی۔ قرآن کریم کی رہنمائی اس سلسلے میں بڑی واضح ہے:

﴿ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآىِٕنِيْنَ ۝ ﴾[1]

1 مزید تفصیل کے لئے: تفسیر تیسیر القرآن از مولانا کیلانی، زیر آیت

"اور اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت (عہد شکنی) کا خطرہ ہو تو برابری کی سطح پر ان کا معاہدہ ان کے آگے پھینک دو۔ کیونکہ اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔" (سورۃ الانفال:۵۸)

میثاق مدینہ کے بعد جب یہودیوں نے عہد شکنی کی تو اللہ تعالیٰ نے خود نبی کریم ﷺ کو یہ تلقین فرمائی کہ ان کو مدینہ سے نکال باہر کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ... وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَاۗءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۭ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ﴾ (الحشر:۲،۳)

"وہی ہے جس نے اہل کتاب میں سے ان لوگوں کو جنھوں نے کفر کیا، پہلے اکٹھ ہی میں ان کے گھروں سے نکال باہر کیا۔"... "یہ اس لیے کہ بے شک انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت (عہد شکنی) کی اور جو اللہ کی مخالفت کرے تو بلا شبہ اللہ بہت سخت سزا دینے والا ہے۔"

مولانا عبد السلام بھٹوی حفظہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو آپ نے ان سے صلح کر لی، اور معاہدہ کیا کہ نہ آپ ان سے لڑیں گے، اور نہ وہ آپ سے لڑیں گے۔ مگر انہوں نے آپ کے ساتھ کئے ہوئے اس عہد کو توڑ دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا وہ عذاب نازل فرمایا جو ہٹایا نہیں جا سکتا اور ان پر اپنا وہ فیصلہ جاری فرمایا جسے ٹالا نہیں جا سکتا۔ چنانچہ نبی کریم نے انہیں جلا وطن کر دیا، اور ان کے مضبوط و محفوظ قلعوں سے نکال باہر کیا۔"... مدینہ کے یہودیوں کو مشرکین مکہ نے اپنے عہد (میثاقِ مدینہ) کو توڑنے کے لئے خط لکھا تو بنو نضیر نے عہد توڑنے پر اتفاق کر لیا، اُنہوں نے اپنے اور مسلمانوں کے تیس تیس اہل علم کو ایک جگہ جمع ہو کر دعوت و تبلیغ کی پیش کی جس پر نبی ﷺ نے انہیں فرمایا: «إنكم والله لا تأمنون عندي إلا بعهد تعاهدوني عليه» (صحیح سنن ابو داود: ۳۰۰۴) "اللہ کی قسم تمہیں میرے پاس کوئی امن نہیں ہو گا، جب تک تم نئے سرے سے میرے ساتھ کوئی عہد نہیں کرو گے۔"[1] مختصراً

ایسے ہی صلح حدیبیہ ۶ھ کے اہم ترین معاہدے کے بعد فتح مکہ کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے کیسے معاہدوں کی پاسداری کی؟ صلح حدیبیہ کی رو سے مسلمان بنو خزاعہ کے حلیف ہوئے اور قریش بنو بکر کے۔ بعد ازاں شعبان ۸ھ میں قریش نے مکہ مکرمہ میں بنو بکر کے ظلم و قتل کے جواب میں نہ تو حرم کا پاس کیا اور نہ ہی معاہدے کی رو سے اپنے زیر سایہ بلکہ اپنی مدد سے ہونے والے بنو خزاعہ کے قتل کا خون بہا دینے پر آمادہ ہوئے تو عمرو بن سالم خزاعی نے مدینہ پہنچ کر نبی کریم ﷺ سے مدد کی فریاد کی، اور انہیں ان کا معاہدہ یاد دلایا۔ نامور

---

1 مزید تفصیل کے لئے: تفسیر القرآن الکریم از مولانا عبد السلام بھٹوی: ص ۶۳۰، زیر آیات سورۃ الحشر: ۲، ۳

سیرت نگار مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری لکھتے ہیں:

"قریش اور اس کے حلیفوں نے جو کچھ کیا، وہ کھلی ہوئی بدعہدی اور صریح پیمان شکنی تھی، جس کی کوئی وجہ جواز نہ تھی... قریش نے ابو سفیان کو تجدید معاہدہ کے لئے بھیجا، مدینہ سے واپس پہنچ کر ابو سفیان نے قریش کو یہ رپورٹ دی کہ میں محمد کے پاس گیا، تو انہوں نے کوئی جواب نہ دیا، ابو بکر کے پاس گیا تو کوئی بھلائی نہ ملی، عمر بن خطاب کے پاس گیا تو سب سے سخت پایا، پھر علی کے پاس گیا تو انہوں نے نرم ترین بات کی۔ پھر نبی کریم ﷺ نے رمضان ۸ھ میں فتح مکہ کے لئے لشکر کی قیادت کی۔" مختصراً[1]

چنانچہ فتح مکہ دراصل کفار کی عہد شکنی کے بعد مسلمانوں کا ایسا مستحسن اقدام تھا جس کی ہمیں سیرت طیبہ سے رہنمائی ملتی ہے۔

قرآن کریم کی آیات اور سیرتِ طیبہ کے ان دو معاہدوں کی عہد شکنی کے واضح انجام سے پتہ چلتا ہے کہ معاہدوں کی پاسداری یک طرفہ نہیں ہے۔ اور عہد شکنی کے بعد نبی کریم ﷺ نے فریق ثانی کے مطالبے اور اصرار کے باوجود ان کی تجدید نہیں کی، کیونکہ یہ صرف عبوری مراحل تھے، حقیقی منزل نہیں۔

بھارت کی معاہدات کی خلاف ورزی

انڈیا نے مسلمانوں سے کہاں کہاں عہد شکنی کی، یہ ایک لمبی داستان ہے، اور ہم عہد کی پاسداری کا اسی طرح یک طرفہ علم بلند کئے ہوئے ہیں جیسا کہ انڈیا کی آئے روز سرحدی دہشت گردی اور فضائی دخل اندازی پر ہم اپنے پرامن ہونے کا اعلان کر دیتے ہیں۔ یہ بجا کہ ہمیں اپنی طاقت دیکھ کر اور مناسب تیاری کے ساتھ ہی جوابی اقدامات کرنے چاہئیں لیکن جوابی اقدامات کی شرعیت پر ہی سوال اٹھانا اور مزاحمت کو ہی سرے سے ناجائز ہی قرار دینا، اور اسی کے مطابق پر ہزیمت شرعی رہنمائی کرنا کیسا اسلام ہے...؟

① **ریاست جوناگڑھ پر انڈیا کا غاصبانہ قبضہ اور عہد شکنی:** برطانوی حکومت نے برصغیر کی تقسیم سے قبل ۲۶۲ ریاستوں اور راجواڑوں کو پاکستان، انڈیا یا آزادانہ حیثیت میں رہنے کا حق دیا تھا۔ ان ریاستوں میں جوناگڑھ کی ریاست بھی شامل تھی جس کے نواب نے پاکستان کے ساتھ الحاق کیا تھا۔ ریاست جوناگڑھ انڈین گجرات کے کاٹھیاواڑ ریجن میں واقع ہے۔ یہ ساڑھے تین ہزار کلومیٹر پر مشتمل تھی۔ اس کی زمین سرسبز جبکہ ایک حصہ بحیرہ عرب سے ملتا تھا۔

تقسیم ہند کے دوران جوناگڑھ کے نواب محمد مہابت خانجی نے پاکستان کے ساتھ الحاق کیا اور ۱۵ ستمبر ۱۹۴۷

1 الرحیق المختوم از مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری: ص ۵۴۰، ۵۳۸، مکتبہ سلفیہ، لاہور

کو پاکستان نے سرکاری گزیٹیر بھی جاری کیا۔ تاہم اس ریاست کی پاکستان سے کہیں سے سرحدیں نہیں ملتی تھیں۔ ۹ر نومبر ۱۹۴۷ کو انڈیا نے امن وامان کی بحالی کے نام پر ریاست کا کنٹرول سنبھال لیا۔ پاکستان کے وزیر اعظم لیاقت علی خان نے نہرو کو ٹیلی گرام بھیجا جس میں سخت احتجاج کیا اور انڈیا کے اقدام کو پاکستان اور بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی قرار دیا۔ ایڈووکیٹ سید سکندر کے مطابق جوناگڑھ پر قیام پاکستان کے دو ماہ کے بعد انڈیا نے قبضہ کر لیا تھا جس کے خلاف پاکستان نے اقوامِ متحدہ سے رجوع کر رکھا ہے۔ اور ۷۳ سالوں کے بعد بھی اس عہد شکنی کا کوئی فیصلہ ہونے کی نوبت نہیں آئی۔

④ **تقسیم ہند کے بعد عدم تشدد کے دو طرفہ معاہدے کی بھارتی خلاف ورزی:** پاکستان اور بھارت کی تقسیم کے اُصولی معاہدے میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ ۲۲ر جولائی ۱۹۴۷ء کے 'تقسیم ہند کونسل' کے معاہدے کے بعد، دو طرفہ طور پر دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے شہری، سیاسی اور مذہبی حقوق کے تحفظ کی پاسداری کی جائے گی۔ وی پی مینن اس معاہدے کا متن درج کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

Both the Governments further undertake that there shell be no discrimination against those who before August 15, may have be political opponents.

The guarantee of protection which both Governments give to the citizens of their respective employs that in no circumstances will violence be tolerated in any form in either territory.[1]

"دونوں حکومتیں اس بات کی ذمہ داری بھی لیتی ہیں کہ ان لوگوں کے خلاف کوئی امتیازی سلوک نہیں کریں گی، جو ۱۵ر اگست سے پہلے سیاسی طور پر ان کے مخالف رہ چکے ہوں۔ دونوں حکومتیں اپنے شہریوں کی حفاظت کی جو ضمانت دے رہی ہیں، اس میں یہ بات بھی شامل ہے کہ ملک کے کسی بھی حصے میں کسی قسم کا متشددانہ اقدام برداشت نہیں کیا جائے گا۔"

قیام پاکستان کے فوری بعد، بھارت کی طرف سے ہونے والی معاشرتی دہشت گردی اور ہندو سکھ اتفاق کے نتیجے میں جس طرح تاریخ کی بدترین قتل وغارت ہوئی، ۳۰ لاکھ سے زیادہ مسلمان شہید ہوگئے، ۸۰ ہزار مسلم خواتین ہندو اور سکھوں نے قبضہ میں کر لیں۔ آغاز میں معاہدے کی بنا پر پرامن قیام یا پرسکون ہجرت کی امید رکھنے والوں کے خواب چکنا چور ہوگئے۔ ہجرت نہ کرنے والے مسلمانوں پر انڈین شہروں میں جس طرح قیام

1 The Transfer of Power in India, by V. P. Menon. Calcutta, p 408.

پاکستان کے بعد کے مہینوں میں قتل وغارت کی گئی اور بعض جگہ بھارتی انتظامیہ بھی اس پر تشدد سازش میں شریک تھی، اس کی بازگشت آج بھی متعدد واقعات میں سنائی دیتی ہے۔ چنانچہ آغاز میں ہی مساوی حقوق کا معاہدہ بری طرح پامال کیا گیا اور ارضِ صلح کی حقیقت کھل کر سامنے آگئی۔ اس کے بعد یک طرفہ طور پر کس طرح معاہدوں کی پاسداری کی تلقین کی جاسکتی ہے۔

④ **مساوی مذہبی حقوق کے باوجود بابری مسجد کا انہدام:** بھارت نے بابری مسجد کے مسئلہ پر نہ صرف عالمی معاہدوں کی خلاف ورزی کی، بلکہ دو طرفہ نہرو لیاقت معاہدہ کی مخالفت کا بھی ارتکاب کیا۔ بابری مسجد کے مسئلہ پر ۸۰ء کی دہائی میں انڈیا بھر میں بی جے پی نے رتھ مہم چلائی، مذہبی جنون پیدا کیا، اپنے معاہدوں کے خلاف کھلم کھلا نعرے لگائے اور آخر کار تاریخی مسجد کو منظم منصوبہ بندی کے ساتھ منہدم کر دیا۔ اس وقت پاکستان کو بھی اس معاہدہ کی دہائی دینا چاہیے تھی، جبکہ پاکستان میں عوام کے جلائے بعض مندروں کو حکومت وقت نے زرِ تعمیر ادا کیا۔

بابری مسجد کے سانحے کو ۳۰ سال عدالتوں میں گھسیٹا گیا، پھر انڈین سپریم کورٹ نے ۹ نومبر ۲۰۱۹ء کو یہ فیصلہ دینے کے باوجود کہ بابری مسجد کا انہدام غیر قانونی ہے، مسجد کی جگہ مندر بنانے کے احکام جاری کر دیے۔ اس کے بعد پاکستان ہی کیسے مساوی مذہبی حقوق کے معاہدے کا یک طرفہ پابند رہ گیا۔ یہ پابندی قرآن وسنت اور عقل ومنطق کے کسی مسلّمہ ضابطے پر پورا نہیں اُترتی جس کی مزید تفصیل آگے اعتراض نمبر ۹ بابت بابری مسجد کی وضاحت میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

☜ قابل غور امر یہ ہے کہ ۶/ دسمبر ۱۹۹۲ء کو ایودھیا میں بابری مسجد کی ظالمانہ شہادت سے ڈیڑھ برس قبل ۱۱/جولائی ۱۹۹۱ء کو بھارت میں Places of Worship Act 1991 منظور کرایا گیا۔ جو 'مقدس مقامات کا قانون' کہلاتا ہے۔ اس قانون کے آرٹیکل نمبر ۲ میں یہ قرار دیا گیا کہ

''یہ قانون عبادت کی جگہوں: مندر، مسجد، چرچ، صومعہ یا ہر قسم کے مذہبی گروہ کے کسی بھی نام سے بننے والی عبادت گاہ کو شامل ہے۔'' آرٹیکل نمبر ۳ میں ہے کہ

''کوئی بھی شخص کسی بھی مذہبی گروہ یا فرقے کی عبادت گاہ کو اسی مذہب کے گروہ یا فرقہ کی عبادت گاہ میں، یا کسی دوسرے مذہب کے گروہ یا فرقہ میں تبدیل نہیں کر سکے گا۔''

آرٹیکل نمبر ۴ میں یہ قرار دیا گیا کہ ''جس عبادت گاہ کی جو حیثیت ۱۵/ اگست ۱۹۴۷ء کو (یوم آزادی کے موقع پر) تھی، اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاسکتی۔''

کسی عبادت گاہ کی تبدیلی کے جرم کی سزا آرٹیکل نمبر ۶ میں تین سال قید اور جرمانہ مقرر کی گئی۔

اب اس قانون کی معنویت اور داخلی تضاد ملاحظہ کریں کہ آرٹیکل نمبر ۵ کی رو سے

"یہ قانون اس بابری مسجد پر لاگو نہیں ہوگا جو ایودھیا کے مقام پر واقع ہے۔ اس قانون کا اس مقام سے کسی بھی حوالے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

اس سے علم ہوتا ہے کہ بھارتی حکومت پہلے ہی قانون کے منصفانہ تقاضوں کو نظر انداز کرتے ہوئے، دراصل مسلمانوں سے سودے بازی کے طور پر یہ قانون منظور کرا رہی تھی کہ باقی عبادت گاہوں کا تحفظ اس شرط کے ساتھ قانون عطا کرسکتا ہے جب بابری مسجد کے مسئلے کو اس تحفظ سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ اس کے ڈیڑھ برس بعد ہونے والے بابری مسجد کے انہدام میں حکومت کی نیت اور منشا بھی اس قانون سے بخوبی ظاہر ہو جاتی ہے۔[1]

④ <u>انڈیا کا شہریت بل ۲۰۱۹ء اور مساوی مذہبی حقوق</u>: مساوی مذہبی حقوق پر ایک اور ضرب کاری انڈیا کے شہریت بل دسمبر ۲۰۱۹ء نے لگائی، جس کی تفصیل راقم کے اس مضمون[2] میں دیکھی جاسکتی ہے۔ اس بل کے ذریعے آسام کے ۱۷ لاکھ مسلمانوں کو، دیگر مذاہب سے کھلا امتیاز کرتے ہوئے، حق شہریت سے محروم کرکے جیلوں کی نذر کردیا گیا ہے اور کئی ماہ سے اس کے خلاف طویل مظاہرے جاری ہیں۔ ان مظاہروں کو ختم کرنے کے لئے بھارتی حکومت مسلمانوں پر انسانیت سوز مظالم کی حوصلہ افزائی کررہی ہے، جس کی الم ناک گواہی دار الحکومت دلی کے در ودیوار پر کندہ[3] ہے۔ اس شہریت بل کی پوری دنیا مذمت کررہی ہے اور یہ عہد شکنی کے ساتھ بھارت کے سیکولرزم کے جھوٹے دعوے کی طشت ازبام حقیقت ہے جس کی یقین دہانی بھارتی آئین، وہاں کے مسلمانوں کو کرواتا ہے۔ اس بل کے ذریعے مساوی مذہبی حقوق کے معاہدے کی حقیقت بھی کھل کر سامنے آگئی ہے۔ ہم پاکستانی تو تمام شہری حقوق کو بحال رکھتے اور

---

۱ اپنے مظالم پر پردہ ڈالنے اور فلسطینی مسلمانوں کی اشک شوئی کے لئے ایسا ہی دکھاوے کا ایک قانون اسرائیلی پارلیمنٹ Knesset سے ۲۷/ جون ۱۹۶۷ء کو (1967) Protection of Holy Palces Law 5727 کے نام سے منظور کیا گیا جو مقدس مقامات کی بے حرمتی اور اس میں متعلقہ مذہب کے پیروکاروں کے آزادانہ داخلے کو تحفظ دیتا ہے اور اس قانون کی خلاف ورزی کے مرتکب کے لئے ۵ تا ۷ سال قید کی سزا مقرر کرتا ہے۔ اسرائیل کے دیگر ظالمانہ اقدام کی طرح اس قانون کی بے مقصدیت اور ظلم کو بھی بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ ان دونوں بھارتی واسرائیلی قوانین کی مزید تفصیلات انٹرنیٹ پر مذکورہ عنوانات کے تحت ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

۲ 'مسئلہ کشمیر پر اقوام متحدہ کا دوغلا کردار' از راقم: محدث، شمارہ: فروری ۲۰۲۰ء، ص ۱۱

۳ دیکھئے دلی کے خونیں فسادات، ۲۵ فروری ۲۰۲۰ء... شمال مشرقی دلی کے فسادات میں ۱۰۰ کے قریب مسلمان شہید کردیے گئے اور ایک ہزار زخمی ہوئے۔ اور مسلم علاقوں میں کروڑوں کی املاک جلا کر دہشت پھیلائی گئی۔

پرانے گرجا اور مندروں کو تحفظ کے داعی ہیں، اور نئے بنانے پر مزاحمت کر رہے ہیں۔ جبکہ بھارت تو مسلمانوں کا اپنی دھرتی پر وجود برداشت کرنے اور انہیں شہری حقوق دینے کو ہی تیار نہیں۔ پھر مساوی حقوق کے یک طرفہ معاہدے کی کیا حیثیت باقی رہ گئی۔

▣ انڈیا کے اقلیتی کمیشن نے دہلی فسادات ۲۰۲۰ء پر اپنی رپورٹ میں لکھا کہ

سنہ ۱۹۳۱ کے کانپور فسادات سے سنہ ۲۰۲۰ کے دہلی فسادات تک، ۸۹ برسوں میں کچھ نہیں بدلا؟

۱۳۴ صفحات پر پھیلی رپورٹ کے دیباچے میں لکھا ہے کہ "دہلی کے شمال مشرقی علاقے میں ۲۳ فروری ۲۰۲۰ کو جو پر تشدد واقعات ہوئے اور کئی دنوں تک بلا روک ٹوک جاری رہے وہ بظاہر ایک فرقہ کو، جنھوں نے ایک امتیازی قانون (سی اے اے) کی مخالفت کی تھی، باقاعدہ منصوبہ بندی کے ساتھ سبق سکھانے کے لیے کیے گئے تھے۔" ناقدین کا کہنا ہے کہ اس میں مسلمانوں کا شامل نہ کیا جانا جانبداری کا مظہر ہے اور یہ کہ تین ممالک کو ہی شامل کیا جانا غیر منطقی ہے۔

دہلی انتخابات میں بی جے پی کے امیدوار کپل مشرا نے ۲۳ فروری کو کہا تھا: "جب تک امریکی صدر انڈیا کے دورے پر ہیں ہم اس وقت تک پُر امن رہیں گے لیکن اگر تین دن میں جعفر آباد اور چاند باغ کی سڑکیں خالی نہیں کی گئیں تو اسکے بعد ہم پولیس کی بھی نہیں سنیں گے، سڑکوں پر آجائیں گے۔"

رپورٹ میں اس بات پر حیرت کا اظہار کیا گیا ہے کہ بی جے پی کے جس رہنما کپل مشرا کے اشتعال انگیز بیان کے بعد فرقہ وارانہ فسادات پھوٹ پڑے، پولیس نے اب تک ان کے خلاف ایف آئی آر درج نہیں کی ہے۔

'شہریت کے قانون کے خلاف جو مظاہرہ کر رہے تھے اور جو فسادات کی زد میں تھے انھی کو فسادی قرار دیا گیا۔ پولیس نے انھی لوگوں کا نام چارج شیٹ میں ڈالا ہے اور میڈیا والے انھی کے پیچھے پڑے ہیں۔'

دہلی پولیس کے رویے پہلے ہی جانبدارانہ رہے ہیں۔ 'ایک جانب اگر دہلی کی جامعہ ملیہ اسلامیہ یونیورسٹی میں وہ طلبہ کے خلاف زیادہ قوت کا استعمال کرتی ہے وہیں جے این یو میں وہ خاموش تماشائی بنی رہتی ہے کیونکہ اسے معلوم ہے کہ وہاں تشدد کرنے والے کس مکتبۂ فکر سے ہیں۔'

انھوں نے کہا کہ اب جبکہ رپورٹ سامنے آئی ہے تو مرکزی حکومت کو چاہیے کہ وہ اس میں ملوث افراد کے خلاف کارروائی کرے کیونکہ دہلی پولیس ان کے دائرہ اختیار میں آتی ہے۔

ریسرچ سکالر ابھے کمار نے رپورٹ میں لفظ 'پوگروم' یعنی نسل کشی کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا کہ دہلی کے فسادات کو دو فرقوں کے مابین لڑائی کے طور پر دکھایا جا رہا ہے جو کہ درست نہیں ہے کیونکہ اس میں ایک مذہب کو دانستہ طور پر نشانہ بنایا گیا ہے۔ "شہریت کے متنازع بل کے خلاف جو سیکولر طاقتیں

کھڑی ہوئی تھیں ان کا دباؤ حکومت پر بڑھتا جا رہا تھا اور حکومت نے بات چیت کے بجائے تشدد کا راستہ اختیار کیا اور طاقت کا استعمال کیا اور دہلی کا جو فساد ہے اس کے تار کہیں نہ کہیں اس معاملے سے جڑے ہوئے ہیں۔"

رپورٹ کی ایگزیکٹو تلخیص میں کہا گیا ہے کہ جنوری اور فروری میں دائیں بازو کے ہندو گروپس اور ان کے حامیوں کی جانب سے سی اے اے کے خلاف مظاہرہ کرنے والوں کو واضح طور پر دھمکانے کی کوششیں ہوئی ہیں اور کھلے عام گولی مارنے کے دو واقعات ہوئے ہیں۔

رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ 'یہ فسادات میں منصوبہ بندی کے تحت، منظم اور ٹارگٹڈ حملے ہوئے۔ حملہ آور 'ہر ہر مودی'، 'مودی جی کاٹ دو ان ملّوں (مسلمانوں) کو'، 'آج تمھیں آزادی دیں گے' جیسے نعرے لگا رہے تھے۔

شواہد میں بتایا گیا ہے حملہ آور ہجوم میں بہت سے لوگ باہر کے تھے۔ مسلمانوں کے گھروں کو لوٹا گیا اور انھیں نذر آتش کر دیا گیا۔ لوگوں کی باتوں سے لگتا ہے کہ یہ فساد فوری اشتعال کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ منصوبہ کے تحت اور منظم تھا۔

رپورٹ میں مذہبی مقامات یعنی مساجد، مدارس اور مزاروں کی بات کی گئی ہے اور اس سلسلے میں ان کے نام بھی شائع کیے گئے ہیں۔ مجموعی طور پر تقریباً دو درجن مذہبی مقامات کو نشانہ بنایا گیا اور ان میں توڑ پھوڑ اور آتشزدگی کی گئی، قرآن کی بے حرمتی کی گئی اور ان کے جلے اوراق بھی دستیاب ہوئے۔

اس رپورٹ میں یہ کہا گیا کہ فسادات کے بعد بڑی تعداد میں مسلمان اپنے گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور جو ریلیف کیمپ میں رہ رہے تھے وہ بھی کورونا وبا کی وجہ سے نافذ لاک ڈاؤن کے سبب کیمپ چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔ فسادات شمال مشرقی دہلی کے شیو وہار، کھجوری خاص، چاند باغ، گوکل پوری، موج پور، قراول نگر، جعفرہ آباد، مصطفیٰ آباد، اشوک نگر، بھاگیرہ وہار، بھجن پورہ اور کردم پوری علاقوں میں ہوئے۔[1]

⑤ **کشمیری مسلمانوں سے عہد شکنی:** بھارت نے ۱۹۴۸ء میں ہی کشمیری مسلمانوں سے معاہدہ کرتے ہوئے، اپنے آئین میں آرٹیکل ۳۷۰ کے ذریعے یہ قرار دیا تھا کہ دفاع اور مواصلات کے علاوہ کشمیر پر بھارتی قوانین کا اطلاق نہیں ہوگا، نیز ۳۵/ اے بتاتا ہے کہ کشمیر میں پیدا نہ ہونے والا یہاں کے شہری حقوق مثلاً جائیداد خریدنے، کشمیری خاتون سے شادی کرنے اور ووٹ دینے کا مجاز نہیں۔ بیک جنبش قلم ۵/ اگست ۲۰۱۹ء کو بھارتی حکومت نے مسلمانوں کے ان حقوق کو کالعدم کر دیا اور اس کا نتیجہ ہے کہ ایک سال سے زائد عرصہ گزر جانے کے باوجود کشمیر دنیا کی سب سے بڑی جیل بن چکا ہے۔ پاکستان سے اس معاہدے کی

1 https://www.bbc.com/urdu/regional-53604969

خلاف ورزی کا یہ تعلق ہے کہ کشمیر، انڈیا کا نہیں بلکہ تقسیم ہند کے اصولی فیصلے کی رو سے پاکستان کا حصہ ہے جس کے ایک حصے پر انڈیا نے اقوام متحدہ کی مدد سے عارضی کنٹرول حاصل کر رکھا ہے۔

تقسیم ہند کے وقت استصواب رائے سے جن ریاستوں کو پاکستان سے ملحق کرنے کا معاہدہ کیا گیا تھا، ان میں کشمیر بھی شامل تھا اور آج ۷۳ سال گزرنے کے باوجود بھارت وہاں ووٹنگ کرانے کو تیار نہیں ہے۔ جس کی وجہ اس کے سوا کیا ہے کہ وہ طویل ترغیبی اور ترہیبی کوششوں کے باوجود رائے عامہ میں اپنے لئے کوئی ہمدردی اور گنجائش نہیں بنا سکا۔

بالفرض شملہ معاہدہ ۱۹۷۲ء کی رو سے کشمیر کا مسئلہ دو طرفہ طور پر حل کیا جانا چاہیے تھا، تو جب انڈیا نے یکطرفہ طور پر آئینی دہشت گردی کی، تو اس طرح بھی وہ اپنے معاہدے سے منحرف ہو گیا اور شملہ معاہدہ کی بھی کوئی حیثیت باقی نہ رہی، جیسا کہ پاکستان کے حالیہ وزیر خارجہ شاہ محمود قریشی بھی لگاتار یہی بات کہہ رہے ہیں۔ جب کشمیریوں کے سیاسی حقوق پر پاکستان کا اصولی موقف یہ ہے تو پھر اسلامیانِ پاکستان کے مذہبی حقوق اور مندروں کی تعمیر پر پاکستان کا یہ اُصولی موقف کیوں نہیں ہو سکتا؟

⑥ **عالمی معاہدے:** بعض لوگ یہاں اقوام متحدہ سے معاہدات کے تقاضے بھی لے آتے ہیں۔ یہاں بھی وہی سوال پیدا ہو گا کہ کیا اقوام متحدہ کے معاہدے ہم مسلمانوں کے بڑے اور پہلے معاہدے کی جائز حدود میں آتے ہیں؟ پھر اس سے اگلا سوال پیدا ہو گا کہ کیا اقوام متحدہ پاکستان کے ساتھ کئے اپنے معاہدات کی پاسداری کرتی ہے؟ اقوام متحدہ نے پاکستانی افواج کو کشمیر سے نکال کر ۲۱/ اپریل ۱۹۴۸ء کو قرارداد نمبر ۴۷ کے ذریعے آزادانہ ووٹنگ کرانے کی ضمانت دے رکھی ہے، لیکن سنگین ترین حالات کے باوجود اقوام متحدہ اس کو نہ صرف اپنے ایجنڈے پر لانے کو تیار نہیں بلکہ خالص اپنے وضع کردہ شہری حقوق بھی کشمیریوں کو دینے کی کوشش نہیں کر رہی۔ اس کی جامع تفصیل راقم کے مسئلہ کشمیر پر مضمون میں پوری وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔

جب بھارت سے اقوام متحدہ نے اپنے تقاضے پورے کروانے ہوں تو اس کے مسلّمہ عالمی انحرافات اور عہد شکنی کے باوجود وہ بے بس اور لاچار دکھائی دیتی ہے، چاہے کشمیر کا مسئلہ ہو، بابری مسجد ہو، جوناگڑھ، حیدرآباد و گجرات کے مسلمانوں کا مسئلہ ہو، یا شہریت بل ۲۰۱۹ء کی بات۔ اور جب بھارت کے یک طرفہ دعوے اور مطالبے پر بعض پاکستانی شخصیات پر الزام کی بات ہو تو اقوام متحدہ نہ صرف انہیں دہشت گرد قرار دیتا، بلکہ پاکستان کے قرضوں کو ان سے مشروط کرتا اور عالمی تجارت کو اس سے مربوط کرتا ہے۔ اور پاکستانی حکومت بلا چون چرا، اس کے احکامات بجا لانے پر مجبور ہوتی چلی جاتی ہے جس کی بے شمار تفصیلات سے ہر ذی شعور بخوبی آگاہ ہے۔

⑦ **امریکہ/ایران کا عالمی جوہری معاہدہ:** ماضی قریب میں امریکہ نے ایران کے جوہری پروگرام کے سلسلے میں مغربی ممالک کے ساتھ ہونے والے معاہدے کا کیا حشر کیا جبکہ ۲۰۱۴ء میں ہونے والے چھ مغربی طاقتوں کے معاہدے کا امریکہ اہم ترین رکن تھا، اس سے بھی عالمی طاقتوں کے ہاں معاہدوں کی پاسداری کا علم ہوتا ہے، چنانچہ ۶/مئی ۲۰۱۸ء کو عالمی ذرائع ابلاغ کی خبر کے مطابق

"۲۰۱۵ میں ایران، امریکہ، چین، روس، جرمنی، فرانس اور برطانیہ نے ایران کے جوہری پروگرام کو روکنے کا معاہدہ کیا تھا، جس کے بعد ایران پر عائد اقتصادی پابندیاں ختم کی گئی تھیں۔ فرانس، برطانیہ اور جرمنی امریکی صدر کو قائل کر رہے ہیں کہ وہ معاہدے کو ختم نہ کریں کیونکہ ایران کو جوہری ہتھیاروں سے دور رکھنے کے لیے یہ معاہدہ بہت اہم ہے۔[1]

جبکہ امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ ۲۰۱۵ء میں ہونے والے اس معاہدے کے خلاف ہیں اور وہ اسے 'شرمندگی' اور 'تاریخ کا بدترین معاہدہ' قرار دیتے ہیں۔ وہ ماضی میں اس معاہدے کو 'تباہی' اور 'پاگل پن' بھی قرار دے چکے ہیں اور انھوں نے دوبار کانگریس کو اس بات کی توثیق کرنے سے انکار کیا کہ ایران معاہدے کی پاسداری کر رہا ہے۔ ڈونلڈ ٹرمپ ایران کے جوہری معاہدے کی تعمیل کے حوالے سے کانگریس کو وضاحت دینے کا مطالبہ مسترد کر چکے ہیں۔

انھوں نے جنوری ۲۰۱۸ء میں خبردار کیا تھا کہ اگر کانگریس اور یورپی ممالک نے اس معاہدے کی تباہ کن خامیوں کو دور نہ کیا تو ۱۲ مئی ۲۰۱۸ء کو امریکہ معاہدے سے نکل جائے گا۔"

روس نے اس امریکی فیصلے پر مایوسی کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ "روس کو امریکی صدر کے اس فیصلے پر شدید مایوسی ہوئی ہے اور یہ اقدام بین الاقوامی قوانین کی کھلم کھلا خلاف ورزی ہے۔"[2]

پھر جب امریکہ نے اس معاہدے سے نکلنے کا اعلان کیا تو ایران نے بھی یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ اس معاہدے کی یک طرفہ پاسداری پر قائم نہیں رہے گا۔ چنانچہ ۲۹/ستمبر ۲۰۱۷ء کو ایرانی وزیر خارجہ جواد ظریف نے قطری ٹیلی ویژن چینل الجزیرۃ سے نیویارک میں بات کرتے ہوئے کہا کہ

"معاہدے کے تحت ایران نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اپنے ایٹمی پروگرام کو محدود کر دے گا جس کے عوض اس پر عائد بین الاقوامی پابندیاں ہٹا دی جائیں گی۔ اگر امریکہ ایران کے ساتھ ہونے والے چھ ملکی ایٹمی معاہدے سے دستبردار ہوا تو ایران بھی ایسا ہی کرے گا۔ ایران کے پاس معاہدے سے

---

1 https://www.bbc.com/urdu/regional-44023802

2 https://www.bbc.com/urdu/world-44042599

دستبرداری اور دوسرے راستے موجود ہوں گے۔ ایرانی حکام نے بارہا کہا ہے کہ وہ اس معاہدے کو پہلے نہیں توڑیں گے۔"[1]

مذکورہ جائزے سے علم ہوتا ہے کہ بھارت نے بین الاقوامی معاہدوں سے نکلنے کے لئے کبھی 'مقدس مقامات کا قانون' ۱۹۹۱ء کا سہارا لیا تو کبھی طویل انتظار کے بعد سپریم کورٹ کے ۲۰۱۹ء کے جانبدارانہ فیصلوں کا۔ اسی طرح بھارت کے سرپرست امریکہ نے عالمی معاہدات سے نکلنے کے لئے بڑی کوشش کی کہ معاہدے میں کسی خلاف ورزی کا شائبہ پیدا کر کے، معاہدہ سے نکلنے کا راستہ ڈھونڈا جائے اور جب یہ ممکن نہ رہا تو کانگرس کو جواب دہی کی بجائے، ٹرمپ نے ڈھٹائی سے اس پر دستخط نہ کرنے اور اس کو سابقہ حکومت کے ظالمانہ اقدام سے تعبیر کر کے، نکل بھاگنے اور نئے مفادات بٹورنے کا چور دروازہ نکالا۔

ہماری مذکورہ بالا معروضات کا یہ مطلب نہیں کہ پاکستانی حکومت کو فوری طور پر عالمی معاہدوں کے خلاف کھڑے ہو جانا اور مزاحمت شروع کر دینا چاہیے، تاہم اس سے یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ معاہدوں کی پاسداری میں ہماری حیثیت کیا ہے؟ اور شرع و قانون میں اس کی پاسداری کے تقاضے کیا ہیں؟ ان کی مسلسل پابندی ہمیں کس طرف دھکیل رہی ہے۔ اور دنیا کے مختلف ممالک معاہدات کی یک طرفہ پاسداری کے بارے میں کیا موقف رکھتے ہیں۔ اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ ان ظالمانہ معاہدات کے سوا ہمارے پاس کوئی چارہ نہیں لیکن ہمیں ان معاہدات پر خوشدلی سے راضی ہو کر، ان کو آگے توسیع دیتے چلے جانا چاہیے یا ان کی اصلاح کی بھرپور جدوجہد شروع کر دینی چاہیے اور ملی اتحاد کے ساتھ ضروری تیاری پر مرکوز ہونا چاہیے۔ ان معاہدوں کی پابندی شرع و قانون سے زیادہ ہماری بے عملی اور کمزوری کی ترجمان ہے۔ اور ہمارے اہل دانش کو ان معاہدوں کی اسی حیثیت کو ہی واضح کرنا اور درست سمت رہنمائی کرنی چاہیے۔

افسوس تو اس وقت ہوتا ہے کہ ہمارے بعض بڑے نامور دانشور ان تضادات کو سمجھ بوجھ کر قبول کرنے، انہی اصطلاحات کو رواج دینے اور اسی کو حقیقت بنانے کی جدوجہد میں لگ جاتے ہیں۔ وہ قوم میں ان کے فروغ کی دعوت دیتے اور شریعت اسلامیہ کی تعبیرات کو اسی مغرب زدہ جامے میں بیان کرتے ہیں۔ مرعوبیت، فکری ہزیمت اور ذہنی شکست خوردگی کی اس سے قابل رحم مثال کیا ہو گی....؟

ابتدائی نوٹ کے باقی سوالات کی مفصل وضاحت کے لئے مستقل کتاب کا مطالعہ کریں۔
'پاکستان میں نئے مندر، گوردوارے اور گرجا گھر تعمیر کرنے کے شرعی احکام' از قلم: ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

1 https://www.bbc.com/urdu/world-41438295

حفظِ قرآن کے اُستاد کے اَوصاف

جامعۃ لاہور الاسلامیہ (رحمانیہ) میں اساتذۂ حفظ و مجودین سے خطاب

خطاب: شیخ ڈاکٹر احمد عیسیٰ معصراوی حفظہ اللہ

ڈاکٹر معصراوی مصری شیخ عموم المقاري المصرية (عام مصری قراء کے شیخ) اور مصر کے سرکاری ادارے مجمع البحوث الإسلامية کے تحت مصحف کی نگران کمیٹی لجنة مراجعة المصاحف کے ۲۰۱۴ء تک صدر نشین رہے ہیں۔ آپ نے قراءاتِ عشرہ میں ایم فل (ماجستیر)، پھر حدیث نبوی میں ایم فل کیا، پھر ۱۹۹۲ء میں آپ نے علومِ حدیث میں پی ایچ ڈی کی سند خاص امتیاز کے ساتھ حاصل کی۔ مصر و سعودی عرب میں آپ کی تدریس کا سلسلہ چار دہائیوں میں پھیلا ہوا ہے۔

مارچ ۲۰۱۹ء میں آپ جامعہ لاہور الاسلامیہ کے سالانہ پروگراموں میں مہمانِ خصوصی کے طور پر شریک ہوئے۔ جامعہ کی عالمی محفل قراءات، مقابلہ حفظِ قرآن، علما مشائخ و قرائے کرام کی علمی ملاقات کے علاوہ جامعہ میں مختلف مدارس و جامعات سے تعلق رکھنے والے اساتذۂ حفظ و مجودین کی ایک روزہ تربیتی ورکشاپ میں آپ نے صدارتی خطاب کیا۔ اس ورکشاپ میں پاکستانی قراء کے شیخ قاری محمد یحییٰ رسول نگری مہمانِ خصوصی تھے، جبکہ دو تربیتی سیشنوں میں ڈاکٹر عبد الرحمٰن حفیظ اور قاری عبد القیوم صاحبان نے شرکا کی تفصیلی رہنمائی کی۔ ورکشاپ کی تکمیل پر سو سے زائد شرکا کو شیخ معصراوی حفظہ اللہ اور رئیس الجامعہ (ڈاکٹر حافظ عبد الرحمٰن مدنی حفظہ اللہ) کے دستخطوں سے جامعہ کی طرف سے سرٹیفکیٹ بھی دیا گیا۔ اس دورہ میں شیخ محترم نے جامعہ سلفیہ (فیصل آباد)، دار العلوم الاسلامیہ (اقبال ٹاؤن لاہور)، کلیۃ القرآن والتربیۃ الاسلامیہ (پھول نگر) کے علاوہ جامعہ لاہور الاسلامیہ (البیت العتیق) میں بھی فاضلانہ خطبے ارشاد فرمائے۔

جامعہ کے مرکزی کیمپس میں شیخ معصراوی کے عربی خطاب کی ترجمانی ورکشاپ کے منتظم ڈاکٹر حافظ حسن مدنی حفظہ اللہ نے انجام دی جو ضروری تہذیب واصلاح کے بعد ہدیۂ قارئین ہے۔ (ادارہ)

شیخ محترم ڈاکٹر احمد عیسیٰ معصراوی حفظہ اللہ نے خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا:

اے بھائیو!، اے اہل قرآن!، اے اللہ کے خاص بندو!، تم سب بہترین کام سے وابستہ ہو۔ یاد رکھو! اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس کام کے لیے چنا ہے۔ یہ عظیم شرف ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں عزت دی ہے۔ تم سب قرآن کی طرف سبقت لے جانے والے ہو۔ اور اس کے لیے اپنے آپ کو خاص اور خالص کر چکے ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کا آپ پر بہت بڑا احسان ہے۔ آپ ہی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ﴾
”تم سب اُمتوں میں سے بہترین ہو جو لوگوں کے لیے بھیجی گئی ہیں۔ اچھے کاموں کا حکم کرتے رہو اور برے کاموں سے روکتے رہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔“ (آل عمران:۱۱۰)

معلم قرآن کا مقام

یعنی اُمتِ محمدی بہترین امت ہے، اور تم اس اُمت میں سے بھی سب سے بہترین ہو، کیونکہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کی تلاوت کے لیے چنا اور لوگوں کی تعلیم وتربیت کے لیے پسند کیا ہے۔ آپ ہی کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ».[1]
”تم میں سے بہترین وہ ہے جو قرآن سیکھے اور دوسروں سکھائے۔“

لہٰذا آپ کو اپنا مقام سمجھنا چاہیے۔ غور کریں تو قرآنِ کریم ہی نبوت ورسالت ہے۔ ایک حدیث[2] میں یہ آتا ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم دے دیا، گویا کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے نبوت کا پیغام اور خلاصہ عطا کر دیا۔ قرآن اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا انعام اور سب سے بڑا معجزہ ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد ﷺ کو دیا ہے:
﴿ اَوَ لَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ﴾ (العنکبوت:۵۱)
”کیا ان کے لیے یہ کافی نہیں کہ ہم نے تجھ پر یہ کتاب نازل کی جو ان پر پڑھی جاتی ہے۔“

عرب اپنی زبان دانی پر بہت ہی ناز کرتے تھے۔ عربوں کے بڑے بڑے شعرا نے سات قصائد بیت اللہ کی دیواروں کے ساتھ ٹانگ رکھے تھے، جنہیں سبعہ معلقہ کہا جاتا تھا۔ یہ عرب شاعری کا جوہر تھا۔ قرآن کریم نے اعجاز، فصاحت اور بلاغت کے ساتھ ان کی زبان دانی کو چیلنج کیا، اور کہا کہ تمہیں اگر اپنی زبان دانی پر فخر ہے، تو ایک مختصر سورت کے برابر ہی ایسا کلام بنا کر لے آؤ۔ ﴿ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ... ﴾

قرآن کریم نے الٓمّٓ اور حروفِ مقطعات جو مختلف سورتوں کے آغاز میں موجود ہیں۔ ان حروف مقطعات کے ذریعے بھی عرب کو چیلنج کیا کہ تم الٓمّٓ جیسا کچھ بنا سکتے ہو، تو لاؤ۔ کم از کم ان کا مطلب ہی واضح کر کے بتا دو کہ ان میں اللہ تعالیٰ نے کیا پیغام دیا ہے؟

آپ اہل قرآن ہیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ عزت دی ہے، سب سے بڑا اعزاز آپ کے پاس

---

۱ صحيح البخاري:٥٠٢٧

۲ مَنْ جَمَعَ الْقُرْآنَ فَقَدْ حَمَلَ أَمْرًا عَظِيمًا، لَقَدْ أُدْرِجَتِ النُّبُوَّةُ بَيْنَ جَنْبَيْهِ، غَيْرَ أَنَّهُ لاَ يُوحَى إِلَيْهِ... (مستدرک حاکم ۱/ ۷۳۸، سلسلہ ضعیفہ از شیخ البانی: ۵۱۱۸)

ہے۔ اس سے بڑا اعزاز کیا ہو سکتا ہے کہ اللہ نے آپ کے سینوں کو قرآن کا محافظ بنادیا ہے۔ قرآن کریم کے حافظ کے پاس سب سے بڑی سعادت یہ ہے کہ وہ اہل قرآن ہے۔ اگر آپ اس پر عمل کرنا شروع کر دیں تو اس سے بڑا دنیا میں کوئی انعام ہے، نہ ہی اس سے بڑا کوئی مقام ہے!!

قرآن کریم کا علم، اشرف علم ہے۔ قرآن کریم کے علم والا سب سے بڑے علم پر قائم ہے، وہ اعظم الناس ہے۔ ہمارے ربّ کا تمام انسانوں سے مطالبہ ہے کہ ہر جگہ قرآن کے عالم کو فوقیت دی جائے۔ جنگ اُحد میں ستر صحابہ کرام شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوئے، ان میں کئی بڑے صحابہ بھی شامل تھے۔ جب اُنہیں دفن کرنے لگے تو ہر شخص کے لیے کفن کا کپڑا مکمل نہیں تھا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک ایک کفن میں دو دو آدمیوں کو لٹادو، اور حافظِ قرآن کو یہاں بھی ترجیح دو۔ اسی طرح جب اُنہیں دفن کرنے کی باری تھی، تو قبریں کافی نہ تھیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حفاظِ قرآن کو اوّلیت دو، یعنی اُنہیں پہلے اور قبلہ رخ پر رکھو۔ نبی ﷺ نے اہل قرآن کو صرف امامت کی وجہ سے اعزاز نہیں دیا، بلکہ ہر کام میں ان کو فوقیت دی ہے۔ لہٰذا آپ کو اپنا مقام سمجھنا اور اس پر فخر کرنا چاہیے اور اس کے تقاضوں کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔

تعلیم قرآن کے تقاضے

① اپنے اعزاز پر دلی اطمینان: سب سے پہلے اپنے آپ سے سوال کریں کہ جو کام آپ کر رہے ہیں، جس سعادت پر آپ قائم ہیں، کیا اس سعادت پر آپ راضی بھی ہیں؟ کیا دل سے آپ نے اس کا انتخاب کیا ہے؟ اگر آپ راضی ہیں تو اس عظمت پر آپ کو اپنے ربّ کا شکر گزار ہونا چاہئے، اس پر مطمئن ہو جائیے اور اس شرف کا دل سے احترام کریں۔ جب آپ اس منصب کا دل سے احترام کریں گے، تو اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی زندگی میں اطمینان بھی عطا کر دیں گے۔

قرآن کریم رفعت اور سربلندی عطا کرنے والی کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے قوموں کو رفعت دیتا ہے اور جو اسے چھوڑ دیتا ہے، اسے زوال پذیر کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس شرف کے ذریعے دوسری اقوام بلکہ مسلمانوں پر بھی آپ کو عزت دی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ يَرْفَعُ بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا، وَيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ».[1]

”بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے اقوام کو سربلند کرتا ہے، اور باقیوں (یعنی اسے چھوڑنے دینے والو) کو نیچے گرا دیتا ہے۔“

---

1 صحیح مسلم: ۸۱۷

اگر آپ اس شرف پر مطمئن ہیں تو اللہ اس کے ذریعے آپ کو رفعت عطا کریں گے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ رفعت ملتی کیسے ہے؟ یہ رفعت اسے ملتی ہے جس نے قرآن کریم کا مقام پہچانا، اس کا حق جانا، اس پر عمل کیا، اس کی قدر کی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ دوسروں کو اس کی تعلیم دی جس طرح تعلیم دینے کا حق ہے۔

قرآن کریم ایسی عظمت والی کتاب ہے کہ جس دل میں یہ موجود ہو، اسے یہ زندگی عطا کر دیتی ہے، صرف زندگی عطا نہیں کرتی بلکہ اس دل کو روشن اور منور کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کلام کے بارے میں فرمایا:

﴿وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِيْمَانُ﴾ (الشوریٰ:۵۲)

''اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے قرآن نازل کیا، آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے۔''

یہ قرآن کریم روحِ زندگی ہے۔ یہ اُمت کے احیا کا پیغام ہے۔ جس اُمت میں قرآن نہیں رہتا، جو قوم قرآن کو چھوڑ دیتی ہے، اس کی حقیقت میں موت ہو جاتی ہے۔ قرآن کریم ہم سے مطالبہ کرتا ہے کہ قرآن کریم پر اس طرح عمل کریں جس طرح نبی ﷺ اور صحابہ نے اس پر عمل کر کے دکھایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ ہماری عمر دس سال سے زیادہ نہیں ہوتی تھی، مگر ہم قرآن کریم کے حافظ ہوتے تھے۔ اور صرف حفظ نہیں کرتے تھے بلکہ اس پر عمل بھی کرتے تھے۔ اس پر تدبر اور دوسروں کو تلقین بھی کرتے تھے۔

② فکر و تدبر: اللہ نے یہ کتاب غور کرنے اور اس سے نصیحت حاصل کرنے کے لیے دی ہے، ارشادِ ربانی ہے:

﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْۤا اٰيٰتِهٖ وَ لِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ۝﴾ (صٓ:۲۹)

''ایک کتاب ہے جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی بڑی برکت والی تاکہ وہ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ عقل مند نصیحت حاصل کریں۔''

جو اس کلام کی عظمت کا قائل ہے، وہ اس کی قدر کرتا ہے، اس پر عمل کرتا ہے، اس میں تدبر کرتا ہے، تفکر کرتا ہے اور اس کو قائم کرنے کی جدوجہد بھی کرتا ہے، وہ صرف تلاوت پر اکتفا نہیں کرتا۔

③ قرآن پر عمل: ہر وہ زمانہ تاریک ہے جس میں قرآن کریم کو قائم نہیں کیا جاتا۔ آپ اس کو قائم کرنے والے بنیں، محض حفظ پر اکتفا نہ کریں۔ حفظ کے ساتھ اس کی تعلیم ہو، اس میں تدبر ہو، اس کے بعد اس کی حکومت کو قائم کرنے کی کوشش کریں۔ قرآنِ مجید سے محروم ہر دور ظلمات اور تاریکی کا دور ہے، جس میں قتل بھی ہوتا ہے، زنا بھی ہوتا ہے، عورتوں کو زندہ گاڑا بھی جاتا ہے، سود بھی ہوتا ہے۔ یہ جہالت کا دور ہے، جس میں قرآن کریم نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن جہاں بھی آتا ہے، قتل کو ختم کرتا اور زنا کی جڑ کاٹتا ہے۔ لہٰذا ہمیں اس معاشرے کی طرف جانا ہے جو معاشرہ اللہ نے فلاح کا معاشرہ بنایا ہے۔ فلاح کا پیغام اور

نبوت کا خلاصہ یہ 'کلام الٰہی' ہے۔

قرآن ہی حق اور قرآن ہی خیر ہے۔ یہ سراسر اطمینان اور تمام نعمتوں کا محور ہے۔ اس کا علم صرف اسے حاصل ہوتا ہے جو اس پر عمل کرتا ہے اور عملاً اس کا احساس کرتا ہے، اور اس کا شعور رکھتا ہے۔ ان سعادتوں کا احساس اس کو ہے جس نے عمل کیا ہے۔ جو اس تجربے سے گزرا نہیں، اس کے لیے یہ ساری باتیں عام سی باتیں ہیں۔ اور جو اس تجربے کو سیکھتا ہے، اس میں اُترتا ہے، اسے پتا چلتا ہے کہ قرآن کریم حق ہے، یہی خیر اور اطمینان ہے۔ اس کا احساس اس کو ہے جس نے قرآن کو اپنی زندگی بنایا۔ دورِ صحابہ میں ایسا ہی ہوتا تھا کہ صحابہ کرام نے قرآن کریم کی حیات میں زندگی صرف کی تھی۔ وہ قرآن کا دور تھا۔ اللہ نے ان صحابہ کرام کو کہا تھا:

﴿ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۝ ﴾ (محمد:۲۴)

"پھر کیوں قرآن پر غور نہیں کرتے کیا ان کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں۔"

وہ تدبر کرنے والے تھے۔ قرآن کریم کا پہلا مقصد، قرآن کریم کی پہلی دعوت ہی تدبر کی ہے۔ قرآن کریم کا سب سے پہلا تقاضا ہی یہ ہے کہ اس کے معانی پر غور کیا جائے۔ اور اگلا تقاضا اس پر عمل کرنے کا ہے۔ قرآنِ کریم کے علوم سب سے اشرف علوم ہیں، ان میں سب سے اہم علم، جو اصل مقصود ہے وہ تدبر ہے، کہ قرآن کریم سیکھا جائے، اس کے معنیٰ پر غور کیا جائے۔ تلاوت اس تدبر کا ایک مبارک وسیلہ ہے۔ نبی ﷺ نے تدبر کیا، پھر اسے اپنی زندگی میں اختیار کیا۔

سیدہ عائشہؓ صدیقہ کہتی ہیں: كان خلقه القرآن کہ نبی ﷺ صرف قرآن کی تلاوت ہی نہیں کرتے تھے، دوسروں کو سکھاتے ہی نہیں تھے، بلکہ عمل کے اعتبار سے آپ ﷺ مجسم قرآن تھے۔

علم کے بعد اس پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ اس نعمت پر عمل کرنے والا ہی اس نعمت کا دراصل حامل ہے۔ جو انسان قرآن کریم کا حامل ہے، ضروری ہے کہ اس کی شخصیت میں بھی قرآن نظر آئے۔ قرآن مجید جن چیزوں کی ہدایت دیتا ہے، جن کی طرف رہنمائی کرتا ہے، صاحبِ قرآن کے وجود میں نظر آنی چاہیے، اس کا اخلاق ایسا ہونا چاہیے، اس کی گفتگو ایسی ہونی چاہیے، اس کے لوگوں سے معاملات ایسے ہونے چاہیے، اس کا لوگوں کے ساتھ ادب کے ساتھ چلنے کا طریقہ، اس کا اُٹھنا، بیٹھنا، بلکہ اس کی ہر چیز میں نظر آئے کہ یہ آدمی حاملِ قرآن ہے۔ اس کے ایمان پر عمل کی تصدیق ہونی چاہیے۔ کیونکہ حدیث میں بے عمل حافظ قرآن کو منافق قرار دیا گیا ہے، سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

«الْمُؤْمِنُ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَعْمَلُ بِهِ كَالْأُتْرُجَةِ طَعْمُهَا طَيِّبٌ وَرِيحُهَا طَيِّبٌ وَالْمُؤْمِنُ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَعْمَلُ بِهِ كَالتَّمْرَةِ طَعْمُهَا طَيِّبٌ وَلَا رِيحَ لَهَا وَمَثَلُ

الْمُنَافِقِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَالرَّيْحَانَةِ رِيحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَالْحَنْظَلَةِ طَعْمُهَا مُرٌّ أَوْ خَبِيثٌ وَرِيحُهَا مُرٌّ»[1]

''اس مؤمن کی مثال جو قرآن پڑھتا اور اس پر عمل بھی کرتا ہے سنگترے کی طرح ہے جس کا مزہ بھی لذیذ اور خوشبو بھی اچھی ہے۔ اور وہ مومن جو قرآن نہیں پڑھتا مگر اس کی تعلیمات پر عمل کرتا ہے اس کی مثال کھجور کی سی ہے جس کا ذائقہ تو اچھا ہے لیکن اس کی خوشبو نہیں ہوتی۔ اور اس منافق کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے گل بونہ کی ہے، جس کی خوشبو تو اچھی ہوتی ہے لیکن ذائقہ کڑوا ہوتا ہے اور اس منافق کی مثال جو قرآن بھی نہیں پڑھتا اندرائن کی طرح ہے جس کا ذائقہ کڑوا ہوتا ہے اور اس کی بو بھی خراب ہوتی ہے۔''

یعنی جو شخص قرآن پڑھتا ہی نہیں، یا پڑھتا تو ہے لیکن عمل نہیں کرتا، رسول اللہ ﷺ نے اسے منافق قرار دیا ہے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے منافق کی نشانیاں بیان کرتے ہوئے فرمایا:

«أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا... : إِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ، وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ، وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ».[2] ''چار باتیں جس میں ہوں گی وہ تو خالص منافق ہوگا اور جس میں ان میں سے کوئی ایک ہوگی، اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی یہاں تک کہ وہ اسے ترک کر دے: جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب عہد کرے تو دغابازی کرے اور جھگڑے تو بے ہودہ بکواس کرے۔''

یہ صفات اور عادات اہل قرآن میں بالکل نہیں ہونی چاہییں۔ اس کے برعکس مؤمن قرآن کریم کی تلاوت بھی کرتا ہے اور اس کے مطابق عمل بھی انجام دیتا ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم دیا ہے، اسے اللہ نے ایمان کی حلاوت عطا کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قرآنِ کریم تو کتاب حیات ہے:

﴿ أَوَمَن كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَٰهُ وَجَعَلْنَا لَهُۥ نُورًا يَمْشِى بِهِۦ فِى ٱلنَّاسِ كَمَن مَّثَلُهُۥ فِى ٱلظُّلُمَٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ﴾ (الانعام:۱۲۲)

''بھلا وہ شخص جو مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندہ کر دیا اور ہم نے اسے روشنی دی کہ اسے لوگوں میں لیے پھرتا ہے وہ اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو اندھیروں میں پڑا ہو، وہاں سے نکل بھی نہیں سکتا۔''

---

۱ صحیح البخاري:۵۰۵۹

۲ صحیح البخاري:۳۴

یعنی وہ شخص جسے اللہ نے قرآن کے ذریعے زندگی اور نور عطا کیا ہے، اور اس زندگی کے ساتھ وہ معاشرے میں نور بن کر چلتا ہے۔ اور وہ شخص جو قرآن کے نور سے محروم ہو کر ظلمات اور اندھیروں میں بھٹکتا پھرتا ہے۔

④ **ہر لمحہ خدمت اور فروغِ قرآن کے لئے مستعد:** ہم دعویٰ حفاظت اور حفظِ قرآن کا کرتے ہیں۔ قاری کہتا ہے کہ میں قرآن کریم سے تعلق رکھتا ہوں، لیکن جب اسے کہا جاتا ہے کہ قرآن کریم کی کوئی بات سناؤ یا کوئی مسئلہ بتاؤ۔ تو وہ کہتا ہے کہ میں اس وقت مستعد نہیں ہوں، میں نے ابھی تیاری نہیں کی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جس انسان نے قرآن کریم میں اپنے اوقات کو صرف کیا ہو، صبح شام قرآن کو پڑھتا ہو، اس پر تدبر کرتا ہو، اس پر عمل کرتا ہو، جب اسے قرآن کریم سے متعلق کچھ پوچھا جائے تو کہے کہ میں تیار نہیں ہوں۔ اس کی مثال تو اس شخص جیسی ہے جس کا تذکرہ قرآن کریم نے ان الفاظ میں کیا ہے:

﴿ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَ كَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ۝ ﴾ (طٰہٰ:۱۲۶)

”اسی طرح تیرے پاس ہماری آیتیں پہنچی تھیں پھر تو نے انہیں بھلا دیا تھا، اور اسی طرح آج تو بھی بھلا دیا گیا ہے۔“

جس آدمی کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم دیا، مگر وہ کہتا ہے کہ میں تیار نہیں ہوں، اسے قرآن مجید کو بھلانے والی وعید سامنے رکھنی چاہیے، اور نبی کریم ﷺ کے اس شکوے کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے، جو وہ روزِ قیامت اللہ کے سامنے رکھیں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ قَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝ ﴾ (الفرقان:۳۰)

”اور رسول کہیں گے: اے میرے ربّ بے شک میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ دیا تھا۔“

اس کے برعکس وہ شخص کس قدر عظیم ہے جو قرآنِ مجید پر غور وفکر کرتا، اس پر عمل کرتا ہے، اور ہر وقت اس کے لیے مستعد ہوتا ہے۔ آپ ماشاء اللہ حافظِ قرآن ہیں۔ اور ہر حافظ قرآن کو یہ بات ہمیشہ سامنے رکھنی چاہیے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اس سے بڑا کوئی گناہ نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کو قرآن کریم کی ایک سورت عطا کی ہو۔ اور وہ اسے یاد کرے، پھر اس کو بھلا دے۔

اور یہ حدیث بھی آپ کو ہمیشہ پیش نظر رکھنی چاہئے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ آتَاهُ اللهُ مَالًا، فَسَلَّطَهُ عَلَى هَلَكَتِهِ فِي الْحَقِّ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللهُ حِكْمَةً، فَهُوَ يَقْضِي بِهَا، وَيُعَلِّمُهَا النَّاسَ».[1]

”صرف دو آدمیوں پر رشک کرنا چاہیے: ایک، جسے اللہ نے مال دیا، اور وہ حق کے راستے میں بے دریغ

---

[1] مسند أحمد: ٣٦٥١ إسناده صحيح على شرط الشيخين

خرچ کرتا ہے۔ دوسرا، جسے اللہ نے (قرآن و) حکمت دی ہو، اور وہ اس کے مطابق (اپنی زندگی کے) فیصلے کرتا، اور اسے لوگوں کو سکھاتا ہے۔"

آپ کو وہ حدیث بھی ذہن نشیں رکھنی چاہئے، جس میں ہے:

«مُعَلِّمُ الْخَيْرِ يَسْتَغْفِرُ لَهُ كُلُّ شَيْءٍ حَتَّى الْحُوتُ فِي الْبَحْرِ».[1]

"لوگوں کو خیر (یعنی قرآن) کی بات سکھانے والے کے لیے (کائنات کی) ہر چیز حتیٰ کہ سمندر کی مچھلیاں بھی دعاے مغفرت کرتی ہیں۔"

اے میرے مسلمان بھائیو!، اے حفاظِ قرآن!، اے حاملینِ کتاب اللہ! آپ کو صرف قرآن کریم یاد ہی نہیں کرنا، بلکہ قرآن کریم کے معنیٰ پر غور کرنا ہے۔ اور قرآن کریم کے اخلاق کو اپنی شخصیت میں اُتارنا ہے، کہ لوگ آپ کے ذریعے قرآن کو پہچانیں۔ آپ کے ذریعے قرآن میں وسعت آنی چاہیے۔ اپنے عمل پر توجہ کیجئے! آپ لوگوں کے لیے قرآن کریم کی مثالیں ہیں، مثلاً جب اللہ تعالیٰ نے یہ کہا ہے کہ آپ أهل الله اور خاصة الله ہیں۔ آپ اللہ کے سب سے قریبی لوگ ہیں، تو قریبی صرف وہ نہیں ہوتے، جن کے سینوں میں قرآن ہو، جو صرف زبان سے پڑھتے ہوں۔ قریبی لوگ تو وہ ہیں جن کے عمل سے قرآن مترشح ہوتا ہو۔

ہمیں اپنے اوپر، اپنے گھروں، اپنے معاشروں اور اپنی حکومتوں میں، بلکہ ہر جگہ قرآن کی حکومت قائم کرنی چاہیے، اپنے عمل سے اس کا اظہار کرنا چاہیے، ورنہ ہمارا عمل ایک منافق کا عمل بن جائے گا۔ اللہ ہم سب کو اس سے عافیت عطا فرمائے۔ آمین!

آج ہمارے چوّن (۵۴) ممالک ہیں۔ ان اسلامی ممالک نے قرآن کریم کے حقوق ضائع کر دیئے ہیں۔ آج ہم نے قرآن کریم کو وہ مقام نہیں دیا، جو اللہ تعالیٰ نے اس کلام کو دے رکھا ہے، جو مرتبہ نبی ﷺ کے فرامین میں موجود ہے، ہمارے ممالک، ہمارے گھروں بلکہ ہمارے سینوں میں اس کا وہ مقام موجود نہیں۔

تین نصیحتیں

تین باتیں میں آپ کو بطورِ نصیحت اور وصیت کہنا چاہتا ہوں:

① حامل قرآن کے لئے عمل کرنے کی بڑی آزمائش ہے! قرآن کریم پر عمل کرنا یہ صرف سعادت کی بات نہیں ہے۔ جو قرآن کریم پر عمل نہیں کرتا اور وہ حامل قرآن ہو تو دراصل یہ بہت بڑی آزمائش کی بات ہے۔ قیامت کے دن بہت بڑے محاسبے کی بات ہے۔ حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن تین آدمی لائے جائیں گے۔ ان تینوں میں سے ایک وہ ہو گا جو قرآن کریم کا حامل ہو گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھیں گے: تو

---

1 سنن الدارمی: ۳۶۹

نے قرآن کریم پر کیا عمل کیا تھا؟ اللہ تعالیٰ قاریٔ قرآن سے قرآن کریم پر عمل کرنے کا محاسبہ کریں گے، تو وہ کہے گا کہ میں نے قرآن کریم کو اس لیے پڑھا تھا کہ میں اللہ کو راضی کر سکوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: تم تو قرآن اس لیے پڑھتے تھے کہ لوگ تمہیں بڑا قاری کہیں۔ پھر اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

پھر قرائے کرام کو یہ وعید بھی یاد رکھنی چاہئے، جو قرآن کریم میں موجود ہے:

﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَ هُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ۝ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝﴾

”جو کوئی دنیا کی زندگی اور اس کی آرائش چاہتا ہے تو ان کے اعمال ہم انہیں پورے کر دیتے ہیں اور انہیں کچھ نقصان نہیں دیا جاتا۔ ان لوگوں کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں، اور برباد ہو گیا جو کچھ انہوں نے دنیا میں کیا تھا اور خراب ہو گیا جو کچھ کمایا تھا۔“ (ہود:۱۵،۱۶)

یعنی جو شخص محض دنیا کے لیے عمل کرتا ہے تو اسے دنیا ہی میں اس کا بدلہ مل جاتا ہے، آخرت میں اس کے لیے کچھ نہیں۔ اگر آپ اہل قرآن ہو کر، اور حفظِ قرآن کریم کے اساتذہ ہو کر بھی اس وعید کو نہیں سمجھے تو گویا آپ نے قرآن کا پیغام سمجھا ہی نہیں۔

② **ترتیل کے ساتھ پڑھنا اور درست وقف کرنا:** قرآن مجید کوئی معمولی سی کتاب نہیں اور قرآن کا معلم کوئی عام سا معلم نہیں۔ یہ قرآن محض ایک کتاب کے طور پر نہیں ملا، یہ ہمیں ایک کیفیت کے ساتھ ملا ہے، کچھ خصوصیات کے ساتھ حاصل ہوا ہے۔ باقی علوم اور دوسرے مدرسین میں یہ صفات موجود نہیں ہیں۔

نزولِ قرآن اور اس کی قراءات کی خاص کیفیات کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

﴿وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝﴾ (المزمل:۴) ”اور قرآن کو ترتیل کے ساتھ پڑھا کرو۔“

ترتیل نام ہے: دو باتوں کا۔ ایک حروف کو اچھی طرح ادا کیا جائے، دوسرا وقف بھی اس جگہ پر کیا جائے جو معنیٰ کے عین مطابق ہو۔ اس لیے قرآن کریم کی تعلیم دینے والے کو اس کی خصوصیات کا بھی دھیان کرنا چاہیے اور اس کی کیفیت کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔ افسوس کی بات ہے کہ بڑے بڑے قرا، جو قرآن کریم کو بڑی خوبصورتی سے پڑھتے ہیں، مگر وقف پر دھیان نہیں دیتے۔ اس سے بعض اوقات معانی بہت زیادہ خراب ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا آپ کو چاہیے کہ بچوں کو معنیٰ کی طرف توجہ دلائیں اور انہیں وقف کے مقامات بتائیں۔ آدھی تجوید تو صحیح جگہ وقف کرنے کا نام ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ کے سامنے خطبہ دیتے ہوئے غلط جگہ پر وقف کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: «قُمْ، بِئْسَ الْخَطِيبُ أَنْتَ».[1]

---

1 سنن أبي داود:۱۰۹۹

''اُٹھ جا، تو بہت برا خطیب ہے۔''

لہٰذا قرآن کریم میں وقف وہاں کرنا چاہیے، جہاں اس کے معنی کی خاص کیفیت ہے۔ میں نے پاکستان میں بہت سارے لوگوں کو دیکھا ہے جو تلاوت کے درمیان جملوں کو کاٹتے اور معنیٰ کو خراب کر دیتے ہیں۔ یہاں لوگ قراءات سبعہ عشرہ کی کتب: شاطبیہ اور طیبہ کو تو جانتے اور سمجھتے ہیں، اس کے احکام سیکھنے پر بہت سی صلاحیت صرف کرتے ہیں، لیکن اس کے معنیٰ کے لیے اُنہیں قرآن کریم کے ترجمہ پر بھی توجہ دینی چاہیے، کیونکہ شاطبیہ اور طیبہ کا موضوع قرآن مجید کا معنیٰ نہیں ہے جبکہ تجوید کا اصل موضوع قرآن کریم کا معنیٰ ہے۔ جب تک کسی کو ترجمہ نہیں آتا، تب تک وہ تجوید و قراءت کا ماہر نہیں بن سکتا، کیونکہ آدھی تجوید تو صحیح جگہ رکنا ہے۔

④ <u>تعلیم قرآن کا مقصد اُخروی نجات ہونی چاہیے</u>: اے معلّمین قرآن! اپنی ذمہ داری کو سمجھیے! قرآن کریم کا کام دنیا کے لیے کرنا، یہ بہت ہی چھوٹی چیز ہے۔ اس کی تعلیم و تعلّم صحیح ہونی چاہیے۔ آپ کا ایک ہی مقصد ہونا چاہیے کہ اللّٰہ اور اس کے رسول کو راضی کرنا ہے۔ یہ قرآن آپ کے پاس اللّٰہ کی امانت ہے۔ آپ اللّٰہ کی امانت اس کے بندوں تک پہنچانے کے ذمہ دار ہیں، اور اس کا بدلہ آپ نے قیامت کے روز اللّٰہ سے لینا ہے، یہ کوئی چھوٹی ذمہ داری نہیں ہے!!

جہاں تک اس کے حفظ کروانے کا طریقہ کار ہے، تو طریقہ آپ ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔ اہل پاکستان حفظ کے طریقے کو ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔ سارا دن کس طرح بچے کو پڑھانا ہے، وہ آپ بہتر سمجھتے ہیں۔ یہ ہر علاقے میں مختلف طریقہ ہے۔ البتہ جہاں تک اس کی ادا کا معاملہ ہے، اسے پڑھنا کیسے ہے؟ وہ ہمارے پیارے نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ قرآن مجید کو عرب کے لہجوں میں پڑھو۔ اس کی قراءت کا طریقہ پوری دنیا میں ایک ہے۔ اس کو ایسے پڑھنا ہے جیسے وہ نازل کیا گیا، اور جیسے اس کی قراءت کی جاتی ہے۔

اگر آپ نے ان تین چیزوں کو پیش نظر رکھا تو آپ اس بات کے مصداق ہوں گے جو نبی ﷺ نے فرمائی تھی: «خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ» (صحيح البخاري: ٥٠٢٧)

''تم میں بہترین وہ ہے جس نے قرآن کریم کو سیکھا اور دوسروں کو سکھایا۔''

آپ نے سب سے بہترین کس کو کہا ہے...؟

آپ نے سب سے بہترین اس انسان کو قرار دیا ہے، جو ان اوصاف کی پاسداری کرتا ہے۔ اپنے عمل سے وہ قرآن کریم کو اختیار کرتا ہے، اس کام کو ایک امانت اور ذمہ داری کے طور پر ادا کرتا ہے۔ اور اس کو اس کیفیت اور اس وصف کے ساتھ تلاوت کرتا ہے جیسے یہ نبی ﷺ پر اُترا ہے۔

اللّٰہ تعالیٰ ہم سب کو ایسے قرائے کرام بنائے جو اس کے حقوق کی پوری حفاظت کرنے والے ہوں!!☆

مولانا حافظ صلاح الدین یوسفؒ... پیامِ نبوت کے محافظ!!

ڈاکٹر جواد حیدر[1]

حافظ صاحب ایک نابغہ روزگار شخصیت تھے جنہوں نے سن شعور سے زندگی کی آخری سانس سے اپنی تمام صلاحیتیں پیغام نبوت کو عام کرنے اور اس پر اُٹھنے والے شبہات کی وضاحت کرنے میں کھپادیں۔ اس سلسلہ میں آپ نے بلاخوفِ ملامت کلمہ حق کو سربلند کرنے کی طویل اور مسلسل جدوجہد کی۔ اپنے ۵۵ سالہ علمی دور میں ہر علمی کاوش پر نہ صرف ان کی گہری نظر رہتی بلکہ اس نیک مشن میں کوشاں رہنے والوں کی آپ ہر لحاظ سے سرپرستی بھی کیا کرتے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی حیات مستعار میں ان کی متعدد کتب بالخصوص تفسیر 'احسن البیان' کے ذریعے انہیں جس طرح پوری دنیا میں قبول عام عطا فرمایا، وہ ان کے اپنے خالق ومالک کے ہاں بلند درجات کی قوی دلیل ہے۔ ان کی مبارک زندگی اس امر کا بین ثبوت اور ہمارے لئے باعثِ سبق ہے کہ دنیوی وسائل سے دور کوئی ہستی بھی اگر خلوص دل سے اپنی صلاحیتوں کو پیغام نبوت کے فروغ وذیوع کے لئے صرف کرنے کا پختہ عزم کرلے، اور اس کے لئے اپنی سی پوری کوشش بجالائے تو اللہ تعالیٰ دنیا میں ہی اس کے ذریعے ایسا عظیم علمی ذخیرہ مرتب کروادیتے ہیں جو اس کے اپنے دور کے ساتھ ساتھ رہتی دنیا کے لئے ہدایت کی راہیں روشن کرتا اور ایسا کرنے والے کے لئے مؤثر صدقہ جاریہ ثابت ہوتا ہے۔ حافظ صاحب کا ہر میدان میں پھیلا ہوا علمی کام، ایک ادارے اور جماعت کی خدمات کے ہم پلہ ہے جس نے دورِ حاضر میں اہل حدیث اور اہل دین حضرات کی بے شمار میدانوں میں رہنمائی کی۔ آپ کی جہود علمیہ کا دائرہ عقائد وعبادات سے شروع ہوکر، سیاست وعدالت، فقہ وقضا، سماج ومعاشرت اور باطل افکار کی بیخ کنی کے وسیع تر پہلوؤں کو محیط ہے۔

آپ کے سوانح حیات اور علمی کارہائے نمایاں، اپنے فاضلانہ قلم سے آپ خود لکھ چکے تھے، جو ان کے فرزندِ گرامی حافظ عثمان یوسف حفظہ اللہ عنقریب مستقل کتاب میں شائع کرنے کا مصمم ارادہ رکھتے ہیں۔ مجلہ 'محدث' سے ان کے دیرینہ خصوصی تعلق کے ناطے، اپنے عزیز محترم ڈاکٹر جواد حیدر صاحب سے ان کی وفات پر خصوصی تحریر لکھوا کر ہدیہ قارئین کی جارہی ہے، جس پر حافظ صاحب کے فرزند محترم نے بھی نظر ثانی کی ہے۔ ح۔م

[1] لیکچرر گورنمنٹ کالج، رینالہ خورد، اوکاڑہ ... فاضل جامعہ لاہور الاسلامیہ، ۲۰۰۶ء

اس سال جس قدر کبار اہل علم اور حاملین کتاب وسنت دنیا سے رخصت ہوئے اور جس قدر اللہ کی غیر معمولی نشانیاں دیکھنے میں آئیں، یوں لگتا ہے ہے جیسے اللہ رب العزت نے اہل دنیا کے لیے آزمائش اور امتحان کی نئی صورتیں پیدا فرمادی ہیں۔

ان کبار اہل علم وفن میں مولانا عطاء اللہ ڈیروی؛ مولانا انعام الحق؛ شیخ عیاض نحوی؛ پروفیسر حافظ ثناء اللہ خان، لاہور؛ پروفیسر مولانا عبد الرحمٰن لدھیانوی، لاہور؛ شیخ الحدیث مولانا عبد الرشید راشد ہزاروی؛ شیخ الحدیث مولانا عبد الحمید ہزاروی؛ شیخ القراء قاری یحییٰ رسولنگری، ساہیوال؛ نائب شیخ الحدیث مولانا یونس بٹ، فیصل آباد؛ مفسر قرآن حافظ صلاح الدین یوسف اور ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن اعظمی رحمہم اللہ، مدینہ منورہ کے علاوہ انڈیا سے تعلق رکھنے والے نامور اہل علم مفسر قرآن ڈاکٹر محمد لقمان سلفی؛ مولانا فضل الرحمٰن محمدی، مالیگاؤں؛ مولانا یوسف جمیل جامعی، کرنول اندھرا؛ پروفیسر عین الباری عالیاوی، کلکتہ؛ داعیٔ اسلام محمد ریاض موسیٰ مالیباری، کیرالا؛ ڈاکٹر ولی اختر ندوی، دہلی؛ شیخ علاء الدین ندوی، سابق اُستاذ جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں؛ حکیم عبد الحنان سلفی، دہلی؛ مولانا شمس الضحیٰ، مالدہ؛ ڈاکٹر عبد الباری، سدھارتھ نگر، یوپی رحمہم اللہ اس جہانِ فانی سے کوچ فرماگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

رحمهم الله جميعًا وغفرلهم والحقهم بالنبيين والصديقين والشهداء والصالحين!

یہ تمام علماء ومشائخ یقیناً عظیم مقام ومرتبہ کے حامل تھے۔ اللہ ان کے درجات بلند فرمائے اور انبیا وصدیقین اور شہدا وصالحین کا ساتھ نصیب فرمائے۔ ان کی وفات دلوں پر ایسی بھاری ثابت ہوئی گویا خون کا یہ منجمد ٹکڑا ابھی آنکھوں کے راستے بہہ پڑے۔ ذہن ایسے قلق میں مبتلا ہوئے کہ ابھی بدن کی حکومت سے دستبردار ہوجائیں۔ روح ایسی شکستگی کا شکار ہوئی کہ جیسے ابھی ساتھ چھوڑ جائے!!

انہی اساطین علم میں سے عالم اسلام کی ایک عظیم شخصیت، عالمی شہرت کے حامل محقق ومصنف اور قرآن وسنت کے داعی ومحافظ مولانا حافظ صلاح الدین یوسفؒ ۲۰ رذی القعدہ ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۲ رجولائی ۲۰۲۰ء بروز اتوار دنیائے فانی سے عالم بقا کے راہی ہوئے۔ مولانا صلاح الدین یوسف ﷫ کو خدائے باری تعالیٰ نے جس مقام ومنزلت سے نوازا، وہ انہی کا خاصہ تھا۔

آپ کے بارے مورخ اہل حدیث محترم مولانا اسحاق بھٹی نے ایک سے زائد مضامین لکھے۔ لکھتے ہیں:

"میانہ قد، گداز جسم، گندمی رنگ، گول چہرہ، گھنی سفید داڑھی، آنکھوں میں ذہانت کی چمک۔ باطن کا معاملہ اللہ جانے یا وہ جانیں۔ بہ ظاہر خوش مزاج، شلوار قمیص میں ملبوس، یہ ہیں ہمارے دوست حافظ صلاح الدین یوسف۔! پاکستان کے مشہور عالم اور مشہور محقق ومصنف۔!"

اس کے بعد قدرے اختصار سے حالاتِ زندگی تحریر فرمائے ہیں۔ (دبستانِ حدیث: ۵۷۸، مختصراً)

آپ کا اصل نام حافظ محمد یوسف، جبکہ قلمی نام حافظ صلاح الدین یوسف تھا۔ آپ اگست ۱۹۴۵ء میں ہندوستان کی ریاست جے پور، راجستھان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والدِ گرامی حافظ عبد الشکورؒ اپنے چھے بہن بھائیوں میں اکیلے عقیدۂ توحید کی نعمت سے سرفراز ہوئے۔ اُنہوں نے ۱۹۴۹ء میں انڈیا سے پاکستان ہجرت کی۔ پہلے پہل حیدر آباد قیام فرمایا، پھر کچھ عرصہ بعد کراچی تشریف لے گئے۔ اُنہوں نے اپنے لختِ جگر محمد یوسفؒ (مولانا صلاح الدین یوسفؒ) کو مسجد رحمانیہ میں مولانا بشیر تبتی رحمہ اللہ کے ہاں ناظرہ قرآن کی تعلیم دلوائی۔ انہی کے کہنے پر حفظِ قرآن کے لیے دار العلوم سعودیہ میں داخل کر دیا اور آپ نے خداداد ذہانت سے قاری محمد اشفاقؒ صاحب کے پاس ایک سال کے مختصر عرصہ میں قرآن مجید کو اپنے سینے کا نور بنالیا۔ خاندانی رجحانات کی بنا پر آپ رسمی تعلیم حاصل نہ کر سکے، لیکن کسے معلوم تھا کہ علم وحکمت کے ایسے سیلِ رواں ثابت ہوں گے جس کے سامنے جہل اور نادانی کے خس وخاشاک کسی طور نہ ٹھہر سکیں۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ اُردو کی ایک کتاب 'دستور المتقی' والد گرامی قدر سے پڑھی اور پھر گھر کے قریب ایک کتابوں کی ریڑھی والے بزرگ سے کتابیں لے کر پڑھتے رہے۔ یوں اُردو لکھنا پڑھنا سیکھ لیا۔

اس کے بعد باقاعدہ دینی علوم کا آغاز بھی دار العلوم سعودیہ سے کیا جو بعد میں سولجر بازار، کراچی منتقل ہونے پر دار الحدیث، رحمانیہ کے نام سے موسوم ہوا۔ یہاں مولانا عبد الوہاب رحمہ اللہ جیسی جامع المعقول والمنقول عظیم شخصیت ناظم و مہتمم تھی۔ آپ اڑھائی برس تک اس جلیل القدر عالم کی صحبت سے فیض یاب ہوتے رہے۔ کراچی ہی میں مولانا عبد الرشیدؒ کی صحبت میسر آئی، جنہوں نے مطالعے کے شوق کی آبیاری میں معاونت کی۔ دورِ طالب علمی میں ہی آپ نے بہت سے ادبی اور جماعتی رسائل کا مطالعہ فرمایا۔ جن میں ماہنامہ ترجمان القرآن، تجلی، چراغِ راہ، فاران، سیارہ، میثاق، شہاب، ہفت روزہ ایشیا اور رحیق جیسے رسائل شامل ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ آپ دیگر کتب کا مطالعہ بھی فرماتے رہے۔ جن مصنفین کو آپ نے زمانہ طالب علمی ہی میں پڑھ لیا تھا ان میں مولانا ابو الحسن ندوی، مولانا عبد السلام ندوی، مولانا ابو الکلام آزاد، مولانا شبلی نعمانی، قاضی سلیمان منصور پوری اور مولانا سید سلیمان ندوی رحمہم اللہ جیسے بڑے نام شامل ہیں۔ پھر مولانا صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ کم وبیش پندرہ برس کی عمر میں لاہور تشریف لائے اور دار العلوم تقویۃ الاسلام لاہور میں داخل ہوئے۔ آپ مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ سے کراچی میں ملاقات کر چکے تھے اور ان سے مطالعہ کی بابت کافی راہنمائی بھی لی۔ جب آپ لاہور تشریف لائے تو مولانا عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ کے مکتبہ سلفیہ تشریف لے جاتے۔ وہاں مطالعہ کے ساتھ ساتھ مولانا سے علمی استفادہ بھی کرتے رہے۔ آہستہ آہستہ تعلیم کے ساتھ

ساتھ تصنیف کا کام بھی شروع کر دیا۔ آپ نے زمانہ طالبعلمی میں ہی تین خوب صورت مضامین لکھے جو اس وقت کے مجلات میں شائع ہوئے۔ آپ کا پہلا مضمون 'میں بھی وہاں موجود تھا، ضبط سخن نہ کر سکا' کے عنوان سے چھپا جو آپ نے میلاد النبی کی ایک مجلس میں حاضری کے بعد لکھا اور یہ الاعتصام اگست ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا۔ بعد میں آپ کا یہ مضمون ان کی کتاب 'عید میلاد کی تاریخی وشرعی حیثیت' میں شامل ہوا۔ ایک مضمون پاکستانی صحافت پر 'جو پیرہن اس کا ہے، وہ مذہب کا کفن ہے!' کے نام سے لکھا۔ اس کے بعد آپ کا تیسرا مضمون 'خوگرِ حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سن لے' کے عنوان سے الاعتصام ہی میں شائع ہوا۔

آپ کے معروف اساتذہ میں مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانیؒ، قاری بشیر احمد تبتیؒ، قاری عبید اللہ بلتستانیؒ، حافظ محمد اسحاق، حافظ عبد الرشید گوہڑوی، مولانا عبد الرشید مجاہد آبادی اور مولانا عبد الحمید جیسی عظیم ہستیوں کا نام شامل ہے۔

آپ مفسر قرآن اور محقق ومصنف ہونے کے ساتھ ساتھ مشیر وفاقی شرعی عدالت پاکستان، رکن مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی پاکستان، مدیر شعبہ ترجمہ و تحقیق وتصنیف دار السلام لاہور، ایڈیٹر ہفت روزہ 'الاعتصام' لاہور اور سرپرست شعبہ تحقیق و تالیف المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر، ڈیفنس کراچی بھی رہے۔ ۱۹۹۸ء میں ایک سال آپ نے ماہنامہ 'محدث' کی ادارت کے فرائض بھی انجام دیے، پھر اپنی وفات تک محدث کی مجلس ادارت کی زینت رہے۔ بحیثیتِ عالم آپ کی وفات یقیناً ایک عالَم یعنی جہان کی وفات ہے۔ آپ جہاں اعلیٰ اخلاق کی حامل طبیعت، عجز وانکساری اور اخلاص وخشیت میں گوندھی فطرت کے مالک تھے، وہاں اتباعِ سنت اور اثباتِ حق کے لیے انتہائی پرجوش جذبات بھی رکھتے تھے۔ آپ ایک عرصہ تک خطابت کے فرائض کے ساتھ ساتھ قرآن مجید اور حدیثِ مبارکہ کے دروس بھی دیتے رہے۔

مولانا نے یوں تو ۱۰۰ سے زائد بے مثل کتب[1] تصنیف فرمائیں، جو بہت سے لوگوں کی علمی سیرابی اور ہدایت کا ذریعہ بھی بنیں۔ تاہم ان میں 'تفسیر احسن البیان' کو جو مقبولیت حاصل ہوئی، بیان سے باہر ہے، کیونکہ یہ تفسیر شاہ فہد کمپلیکس، سعودی عرب سے شائع ہونے کے بعد اک عرصہ تک حجاجِ کرام کو بطور تحفہ دی جاتی رہی۔ یوں یہ تفسیر پوری دنیا کے اُردو دان طبقے تک پہنچ گئی۔ مزید بر آں یہ تفسیر بین الاقوامی اشاعتی ادارے دار

---

1 مولانا مرحوم کے سیکڑوں مضامین دینی رسائل وجرائد میں شائع ہوتے رہے، ادارۂ محدث کے زیر اہتمام تیار شدہ تازہ 'موسوعہ فہارس مجلاتِ علمیہ' میں شامل ماہانہ جرائد میں ایسے مقالات کی تعداد ۱۵۳ ہے۔ جبکہ ادارہ محدث کے ہی تیار کردہ اشاریہ ہفت روزہ 'الاعتصام' میں ان کے مضامین کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ ہے۔ ان دونوں اشاریوں کے علاوہ دیگر رسائل وجرائد میں آپ کے ۴۷ مضامین شائع ہوئے ہیں، گویا ۱۲۰۰ کے قریب مضامین۔ (محمد اصغر)

السلام سے بھی شائع ہوتی رہی۔ یہ تفسیر اختصار اور جامعیت کا بہترین نمونہ ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ مولانا کی نجات کے لیے یہ ایک تفسیر ہی کافی ہے تو غلط نہ ہوگا۔ تفسیر احسن البیان کے علاوہ آپ اپنے آخری ایام میں ایک تفصیلی تفسیر بھی مرتب فرما رہے تھے اور لوگوں سے اس کی تکمیل[1] کے لئے دعا کی درخواست بھی کرتے، لیکن اس کے مکمل ہونے سے قبل ہی حکم باری تعالیٰ آن پہنچا اور داعی اجل کو لبیک کہہ دیا۔

اس کے علاوہ مولانا کی تصنیف 'خلافت و ملوکیت کی تاریخی و شرعی حیثیت' بھی بہت مقبول ہوئی۔ یہ آپ کی پہلی باقاعدہ تصنیف تھی، جسے صرف بائیس برس کی عمر میں آپ نے لکھا۔ یہ کتاب در حقیقت مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ کی تصنیف 'خلافت و ملوکیت' میں صحابہ کرامؓ پر اُٹھنے والے بعض اعتراضات کا جواب ہے۔

مولانا نے عقائد و عبادات، نکاح و طلاق، فقہ و اجتہاد، سماج و معاشرت، سیاست و عدالت جیسے متنوع پہلوؤں پر گرانقدر تحقیقی و تنقیدی کتب تصنیف فرمائیں۔ فکرِ فراہی، مولانا اصلاحی اور فتنۂ غامدی پر الگ الگ تین کتب تصنیف فرمائیں۔ 'اجتہاد اور تعبیرِ شریعت سے متعلق پارلیمنٹ کے دائرہ کار' پر مستقل کتاب تحریر کی۔ آپ کی تحریریں سادہ، عام فہم، سلاست و روانی کا بہترین نمونہ ہونے کے ساتھ دلائل و براہین سے مزین اور موضوع پر مکمل گرفت کا مُنہ بولتا ثبوت ہیں۔

مولانا ساری زندگی احقاقِ حق اور ابطال باطل کا فریضہ سر انجام دیتے رہے، لیکن انداز اتنا سلجھا ہوتا کہ تنقید کرتے وقت اخلاقیات کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ آپ بے مثال ذہانت و فطانت اور مؤمنانہ بصیرت سے مالا مال تھے۔ آپ کے علم و عمل اور زہد و تقویٰ میں امتیاز، قدیم و جدید مسائل پر دسترس، اپنے دور کے علمی و سیاسی حالات پر گہری نظر کی بدولت آپ بجا طور 'اپنے دور کا امام' کہلائے جانے کے مستحق ہیں۔

آپ کی وفات پر بنتِ بشیر نے لکھا:

"عالی مرتبت، عالی صفات، عالی مقام، فنافی اللہ کے عملی پیکر، جامع کمالات وصفاتِ حمیدہ، حلم و تقویٰ اور عاجزی و انکساری کا نمونہ تھے۔ وہ سادہ اور ہر قسم کے تصنع سے پاک شخصیت کے مالک تھے۔ مگر ان کا علمی رعب و دبدبہ سامنے بیٹھے ہوئے سامعین کو اپنے سحر میں لے لیتا تھا۔ وہ جس موضوع پر بھی گفتگو کرتے، سامعین پر اس میں اپنی مہارتِ تامہ کا تاثر چھوڑ دیتے۔[2] بڑے بڑے علمی مسائل کو اس

---

1 حافظ صاحب مرحوم نے تفسیر احسن البیان سے قبل ایک مفصل تفسیر لکھی تھی، جس کا اختصار مروّجہ تفسیر ہے اور حیات مستعار کے آخری سالوں میں ایک وسیع تر تفسیر بھی لکھ رہے تھے، جو ۷ اپارے تک مکمل ہو چکی تھی۔ ہماری دعا ہے کہ ان کے فرزند گرامی مولانا عثمان یوسف حفظہ اللہ کو اللہ تعالیٰ اپنے عظیم والد کی تفسیر کی کماحقہ تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔

۲ وٹس ایپ گروپ، جامعہ لاہور الاسلامیہ، ۱۴ر جولائی ۲۰۲۰ء

سہولت کے ساتھ بیان کر دیتے کہ سننے والے انگشت بدنداں رہ جاتے۔ بڑی شائستہ گفتگو فرماتے، محبت و اُلفت کا مجسم پیکر تھے۔ لوگوں کے سوالوں پر اکتاہٹ کا اظہار کرنے کی بجائے محبت سے سوالوں کے جواب دیتے۔"

مولانا صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں ایک سو سے زائد عظیم کتب تصنیف فرمائیں:

۱۔ تراجم و تفسیر قرآن

۱. تفسیر سورہ فاتحہ
۲. تفسیر 'احسن البیان'
۳. ترجمۃ القرآن (لفظی)
۴. معانی القرآن الکریم
۵. ترجمہ و تفسیر تیسواں پارہ
۶. تفسیر ترجمان القرآن (نظر ثانی)
۷. راہِ ہدایت (نظر ثانی)

۲۔ تراجم و تشریح حدیث اور حجیت حدیث

۸. ریاض الصالحین: ترجمہ و فوائد
۹. سنن ابی داؤد، ۴ جلد (نظر ثانی، اضافہ)
۱۰. سنن ابن ماجہ، ۵ جلد (نظر ثانی، اضافہ)
۱۱. منحة الباری ترجمہ الأدب المفرد للبخاری
۱۲. تنقیح الرواۃ في تخریج أحادیث المشکوۃ
۱۳. نمیمة الصبي في ترجمة الأربعین از نواب صدیق حسن کی تسہیل و تنقیح
۱۴. عظمتِ حدیث اور اس کے تقاضے
۱۵. فکر فراہی اور اس کے گمراہ کن اثرات
۱۶. فتنۂ غامدیت (ایک تحقیقی و تنقیدی جائزہ)
۱۷. مولانا امین احسن اصلاحی (اپنے حدیثی اور تفسیری نظریات کی روشنی میں)

۳۔ اصلاحِ عقائد

۱۸. توحید اور شرک کی حقیقت مع مغالطات
۱۹. یااللہ مدد
۲۰. قبر پرستی؛ ایک حقیقت پسندانہ جائزہ
۲۱. قبر پرستی: قبر پرستوں کے دلائل کا جائزہ
۲۲. قبر پرستوں کے جال میں
۲۳. ایصالِ ثواب اور قرآن خوانی

۴۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

۲۴. 'خلافت وملوکیت' کی تاریخی و شرعی حیثیت
۲۵. اسلامی خلفاء وملوک: غلط فہمیوں کا ازالہ
۲۶. فضائل صحابہ و اہل بیت صلی اللہ علیہ وسلم

۵۔ عبادات

۲۷. نمازِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم
۲۸. نمازِ مسنون مع ادعیہ ماثورہ
۲۹. نماز کے بعض اہم مسائل
۳۰. آدابِ نماز اور خشوع کی اہمیت و وجوب
۳۱. کیا عورتوں کا طریقہ نماز مردوں سے مختلف ہے؟
۳۲. نمازِ جنازہ کے احکام و مسائل

۳۳. مشہور کتاب حصن المسلم؛ اُردو ترجمہ
۳۴. رمضان؛ فضائل اور احکام و مسائل
۳۵. رمضان المبارک؛ فضائل فوائد و ثمرات احکام و مسائل اور کرنے والے ضروری کام
۳۶. فضائل عشرہ ذوالحجہ اور احکام عید الاضحیٰ
۳۷. رسوماتِ محرم الحرام اور سانحۂ کربلا
۳۸. اہل سنت اور محرم الحرام
۳۹. جشن عید میلاد النبی ﷺ؟
۴۰. زکوٰۃ و عشر کے احکام اور مسائل و فضائل
۴۱. واقعۂ معراج اور اس کے مشاہدات
۴۲. مسئلہ رؤیت ہلال اور بارہ اسلامی مہینے

۶۔ سماج و معاشرت

۴۳. اسلامی معاشرت
۴۴. حقوق الامہ
۴۵. حقوق العباد
۴۶. کھانے پینے کے آداب
۴۷. سونے جاگنے کے آداب
۴۸. سلام کے آداب و احکام
۴۹. حقوقِ سرواں، حقوق نسواں
۵۰. خواتین سے متعلقہ بعض اہم مسائل؛ احادیث کی روشنی میں
۵۱. عورتوں کے امتیازی مسائل و قوانین: حکمتیں اور فوائد
۵۲. ایامِ مخصوصہ میں عورت کا قرآن پڑھنا اور چھونا
۵۳. اسلامی آدابِ معاشرت؛ صحیح احادیث کی روشنی میں
۵۴. اسلامی لباس؛ آداب و احکام

۷۔ خاندان اور نکاح و طلاق

۵۵. حقوق الوالدین
۵۶. حقوق الاولاد
۵۷. حقوق الزوجین
۵۸. حقوق و فرائض
۵۹. مسنون نکاح اور شادی بیاہ کی رسومات
۶۰. شادی بیاہ
۶۱. بارات اور جہیز کا تصور؛ مفاسد اور حل
۶۲. مفرور لڑکیوں کا نکاح اور ہماری عدالتیں (مسئلہ ولایت نکاح کا تحقیقی جائزہ)
۶۳. ایک مجلس میں تین طلاقیں اور اُس کا شرعی حل
۶۴. مسئلہ طلاقِ ثلاثہ اور علماء احناف

۸۔ سیاستِ شرعیہ اور نظامِ عدل

۶۵ نفاذِ شریعت؛ کیوں اور کیسے؟
۶۶. اجتہاد اور تعبیر شریعت کے اختیار کا مسئلہ؛ پارلیمنٹ اہل ہے یا باصلاحیت علمائے اسلام؟
۶۷. عورت کی سربراہی کا مسئلہ اور شبہات و مغالطات کا جائزہ
۶۸. حدرجم کی شرعی حیثیت اور شبہات کا جائزہ

۹۔ اہل حدیث

۶۹. اہل حدیث اور اہل تقلید
۷۰. تحریکِ جہاد اور اہل حدیث و احناف
۷۱. اہل حدیث کا منہج اور احناف سے اختلاف کی حقیقت و نوعیت
۷۲. گناہوں سے کیسے بچیں (نظر ثانی، اضافہ)

مولانا ساری زندگی احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا فریضہ سر انجام دیتے رہے، لیکن انداز اتنا سلجھا ہوتا تھا کہ تنقید کرتے وقت کبھی اخلاقیات کے اعلیٰ پیمانوں سے انحراف نہ برتا۔ ان کی ذہانت و فطانت، علم و عمل، زہد و تقویٰ، قدیم و جدید مسائل پر دسترس، حالاتِ حاضرہ پر نظر، عصری تقاضوں کے ادراک اور مؤمنانہ بصیرت نے انھیں دورِ حاضر کا امام بنادیا۔ آپ کی تحقیقی کاوشیں عقائد و عبادات کی اصلاح کے ساتھ ساتھ، اجتماعیات میں سیاسی، عدالتی، معاشی اور سماجی مسائل تک پھیلی ہوئی ہیں۔ آپ کی تحریر عام فہم، سلاست اور رواں اُسلوب کی آئینہ دار ہے۔

جیسا کہ پیچھے ذکر ہوا کہ آپ نے ۱۲؍ جولائی ۲۰۲۰ء بروز اتوار شب ۱۲:۲۰ پر بجے، اپنے گھر میں وفات پائی۔ آپ کی نمازِ جنازہ فضیلۃ الشیخ حضرت مولانا مسعود عالم حفظہ اللہ نے پڑھائی۔ آپ کے محبین کی ایک بڑی تعداد کے علاوہ ہر مکتب فکر اور شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے ہزاروں مسلمانوں نے آہوں اور سسکیوں کے ساتھ اللہ عزوجل کے حضور آپ کے لیے دعائے مغفرت فرمائی اور آپ کے موحد ہونے کی گواہی دی۔ محترم ڈاکٹر حافظ حسن مدنی کی ان کے فرزند حافظ عثمان یوسف کو تجویز اور محترم علامہ ابتسام الٰہی ظہیر کی آمادگی پر آپ کی نمازِ جنازہ مرکز اہل حدیث لارنس روڈ میں ادا کی گئی، وہاں ایک ایسا جم غفیر اُمنڈ آیا کہ اس عظیم الشان مرکز میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی، حتی کہ تہ خانے تک بھر گئے اور لوگوں کو باہر کھڑا ہونا پڑا۔

آپ کا دوسرا جنازہ مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے اسی مرکز میں پڑھایا، اور آپ کو جامعہ منظور الاسلامیہ کے سامنے صدر قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا، جہاں آپ کے بڑے بیٹے حافظ عثمان یوسف حفظہ اللہ نے تدفین کے فوری بعد رقت آمیز دعا کرائی۔

آپ پر ناصبیت کا الزام

مولانا حافظ صلاح الدین یوسفؒ ایک غیر جانبدار محقق اور منصف مزاج عالم تھے۔ آپ جمیع اہل بیت، حسنین کریمین اور ان کے والدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے قلبی محبت رکھتے تھے اور کئی بار آپ نے فرمایا کہ ان پر تو ہمارے ماں باپ بھی قربان اور ان کے بارے کوئی برا سوچنے والا کبھی مسلمان نہیں ہو سکتا۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ دفاعِ صحابہ رضی اللہ عنہم پر بھی کمربستہ رہے۔ ایک بار مرکز اہل حدیث لارنس روڈ میں علمائے کرام کے ایک بھرپور اجلاس میں آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عزت و ناموس پر بے مثال گفتگو فرمائی، اس میں راقم الحروف بھی شریک تھا۔ آپ نے فرمایا کہ ہمیں یزید کا دفاع اس لیے کرنا پڑتا ہے کہ اس سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن و تشنیع کا دروازہ کھلتا ہے۔ اسی اجلاس کے موقع پر مولانا ابو یحییٰ نورپوری نے ان سے ملاقات کی اور ناصبیت کے بارے دریافت کیا۔ آپ لکھتے ہیں:

''کچھ سال پہلے مرکز اہل حدیث لارنس روڈ میں علماء کا اجلاس تھا تو راقم الحروف (ابو یحییٰ نور پوری) اور استاذِ گرامی شیخ غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری ﷾ انہیں علیحدگی میں خاص طور پر ملے اور ان سے دریافت کیا کہ لوگ آپ کے بارے میں ایسا تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ اہل بیت کے بارے میں آپ کا نظریہ اہل سنت والا نہیں، تو اُنہوں نے دوٹوک انداز میں فرمایا کہ ''سیدنا علی، حسن و حسین اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں ذرا برابر بھی برا سوچنے والا کبھی مسلمان نہیں ہو سکتا۔

اُنہوں نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے نکلنے کو 'سیاسی عمل' کہا تو روافض و نیم روافض نے پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ ان کی توہین کر دی گئی۔ جو لوگ خود سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے سفر کو 'خروج' کہتے ہیں، وہ اس عمل کو سیاسی کہے جانے کو کیسے گستاخی کہہ رہے ہیں؟ کیا سیدنا علیؓ سے سیدہ عائشہ، طلحہ و زبیر اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہم کا اختلاف اہل سنت کے نزدیک سیاسی مسائل پر نہیں تھا؟

کیا کبھی کسی سنّی نے اس اختلاف کو سیاسی کہنے پر گستاخی کا فتوی لگایا...؟

اگرچہ ہماری تحقیق میں ان کا سفر ذاتی تھا، کسی حاکم سے ٹکر اُنہوں نے کبھی لی ہی نہیں، لیکن اگر کوئی اسے حاکم سے ٹکر سمجھتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس عمل کو سیاسی اختلاف ہی کہے گا، اس سے کون سی گستاخی لازم آتی ہے؟

یاد رکھیں کہ ہم اہل سنت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سمیت تمام اہل بیت سے لازوال محبت رکھتے ہیں، ہمارے ماں باپ ان پر قربان... اس محبت کے لیے ہمیں کسی رافضی یا نیم رافضی دشمن صحابہؓ کے سرٹیفکیٹ کی ضرورت نہیں۔''[1]

محترم عمار سعیدی اور محترم فیضان فیصل کو دیے گئے ایک انٹرویو میں ناصبیت کے الزام کے بارے جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''جو حضرات مجھے ناصبیت کی طرف منسوب کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو یزید کی اس حد تک مخالفت کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ، حضرت مغیرہ بن شعبہ اور دیگر بہت سے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم کی اہانت کر گزرتے ہیں۔ میرا موقف یہ ہے کہ ہمارا اصل مقصد صحابہ کا دفاع ہے جبکہ یزید صحابی نہیں، لیکن یزید کا دفاع اس لیے ضروری ہے کہ اس کی آڑ میں قصرِ صحابیت پر نقب زنی کی جاتی ہے۔ لہٰذا یزید پر لعنت و ملامت دراصل قصرِ صحابیت تک پہنچنے کا چور دروازہ ہے۔

دوم، یہ کہ تاریخی طور پر بھی جو کچھ یزید کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے، اس کا کوئی صحیح ثبوت نہیں اور

1 واٹس ایپ گروپ مجلس التحقیق الاسلامی ۱۳/ جولائی ۲۰۲۰

صحابہ کرام نے اس کو خلیفۃ المسلمین اور امیر المؤمنین تسلیم کیا تھا، بلکہ عالم اسلام میں اس کی خلافت تسلیم کی جاچکی تھی۔ تو اس لحاظ سے وہ بالکل شرعی امیر تھا اور اس کا دفاع کرنا صحابہ کو بچانے کے لیے ضروری ہے۔

پھر ہماری بد قسمتی یہ ہے کہ جو گروہ ہمیں ناصبیت سے منسوب کرتا ہے، وہ اس اصطلاح سے واقف ہی نہیں۔ ناصبیت کا مطلب تو یہ ہوتا ہے کہ حضرت علی، حضرت حسین رضی اللہ عنہما اور اہل بیت کے خلاف باتیں کی جائیں جبکہ ہم تو الحمد للہ ان کا بھی دفاع کرتے ہیں۔ کیونکہ ہم تو صحابہ کے دفاع کے مشن پر ہیں اور حضرت علی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما بھی جلیل القدر صحابہ ہیں؛ ان کی توہین ہم کس طرح کرسکتے ہیں! "

سو یہ حضرات ناصبیت کی طرف منسوب کر کے جھوٹا الزام لگاتے ہیں۔ رہی یہ بات کہ ناصبیت اور رافضیت میں زیادہ خطرناک کون سا فتنہ ہے تو ظاہر بات ہے کہ اصل فتنہ تو رافضیت کا ہے۔ اور جو لوگ یزید پر لعن طعن کرتے ہیں تو یہ بھی اصل میں رافضیت کا راستہ ہموار کرتے ہیں اور درپردہ وہ روافض ہی کی سہولت کاری کا کردار ادا کرتے ہیں۔"[1]

آپ کے بارے میں اہل علم کے تاثرات

① جامعہ لاہور الاسلامیہ کے رئیس و مہتمم اور مجلّہ 'محدث' کے مدیر اعلیٰ، ہمارے اُستاذِ گرامی مولانا ڈاکٹر حافظ عبد الرحمٰن مدنی حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

"اہل حدیث علماے کرام میں حافظ صلاح الدین یوسف صاحب ان گنتی کے چند حضرات میں شامل ہیں جو عبادات سے لے کر سماج و قانون کے ہر پہلو پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے منہج کی بہترین ترجمانی کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلکی حمیت کے ساتھ ان کو محدثین کرام پر بے پناہ اعتماد عطا کیا ہے۔ آپ کے موئے قلم کا شاہکار تصانیف، ان علمی میدانوں کو وسیع ہیں جن پر لکھتے ہوئے بہت سے اہل علم کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں۔ ہر دم قرآن وسنت کی فروغ میں اپنی تمام صلاحیتوں اور اوقات کو لگانے والے حافظ صلاح الدین یوسف علما کی آن اور شان ہیں۔ بالخصوص دورِ حاضر کے انکار حدیث کے فتنوں کے بارے میں آپ کا قلم بڑا غیور اور آپ کی جدوجہد بڑی مثالی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام عظیم خدمات کا بہترین صلہ اور اجر جزیل ان کو عطا فرمائے۔"

1 واٹس ایپ گروپ احیاء التراث ۱۲ر جولائی ۲۰۲۰ بعنوان انٹرویو فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

② شیخ التفسیر مولانا عبد السلام بھٹوی حفظہ اللہ نے ایک بار مولانا صلاح الدین یوسفؒ کی شخصیت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

"میں مولانا صلاح الدین یوسفؒ کو بچپن سے جانتا ہوں۔ میں لاہور میں دورانِ حفظ مولانا عطاء اللہ حنیفؒ کے پاس آیا جایا کرتا تھا، جہاں مولانا سے بھی ملاقات ہو جاتی۔ مولانا عطاء اللہ حنیفؒ میرے والد صاحب کے ہم سبق اور مہربان ساتھی ہونے کی وجہ سے مجھے اپنے بیٹوں کی طرح عزیز رکھتے تھے۔ اسی طرح حافظ صلاح الدین یوسف صاحبؒ پر بھی بے حد شفقت فرماتے اور اپنی خاص تربیت میں رکھتے۔ اس زمانے میں مولانا مودودیؒ نے 'خلافت وملوکیت' لکھی، جسے پڑھنے کے بعد مجھے بڑی پریشانی لاحق ہوئی۔ اس کا جواب محمود عباسی نے 'تبصرہ محمودی بر ہفواتِ مودودی' کے نام سے لکھا جس کا نام بڑا سخت اور انداز بڑا ہی جارحانہ تھا، البتہ اس سے مجھے کئی باتیں ملیں۔ لیکن اس کا جو جواب مولانا عطاء اللہ حنیفؒ نے اپنی نگرانی میں مولانا صلاح الدین یوسفؒ سے لکھوایا، وہ بہت ہی شاندار اور مبنی بر اعتدال تھا۔ اس کے بعد مولانا لکھتے رہے اور بہت سے مضامین اور کتب تحریر فرمائیں۔ پھر آپ نے جب اللہ کی توفیق سے قرآن مجید کی تفسیر 'احسن البیان' لکھی تو اللہ تعالیٰ نے اسے بہت قبولِ عام عطا فرمایا اور سعودی عرب کی حکومت نے اسے شائع کرنا منظور کیا تو لاکھوں نسخے پوری دنیا میں پھیلے، لوگ اس سے بہت مستفید ہوئے۔ میں بھی اپنی 'تفسیر القرآن الکریم' میں اس سے استفادہ کرتا رہا ہوں۔ میں نے جب اللہ کی توفیق سے ترجمہ قرآن لکھا تو حافظ صاحب نے اس پر بہت ہی حوصلہ افزائی کی، البتہ جب تفسیر لکھی تو گویا دریا ہی بہہ پڑا، آپ نے از خود، بغیر کسی مطالبے کے ایک بہت ہی مفصّل تبصرہ تحریر فرمایا جو 'الاعتصام' میں بھی شائع ہوا۔ مختصر یہ کہ آپ بہت محبت بھری توجہ فرماتے تھے۔ اکثر فون کر لیا کرتے تھے اور میں بھی فون کر کے ان کا حال پوچھتا رہتا۔"

③ محترم پروفیسر ساجد میر حفظہ اللہ (امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث) نے مولانا کی وفات پر فرمایا:

"مولانا صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ عظیم محقق و مفسر اور بے مثل صحافی و ادیب تھے۔ آپ نے ساری عمر دینِ حق کی ترویج میں صرف کر دی۔ آپ کی دینی و مسلکی خدمات کو جس قدر سراہا جائے، کم ہے۔ آپ کی تفسیر 'احسن البیان' علماء اور عوام میں یکساں مقبول ہے۔ آپ نے نہ صرف توحید و سنت کا پرچم سربلند کیا، بلکہ شرک و بدعات اور کفر و الحاد کا بھی خوب قلع قمع کیا۔ معاشرے میں کسی بھی قسم کا فتنہ کھڑا ہوا تو مولانا صلاح الدین یوسف مرحوم کا قلم اس کے محاسبے کے لیے تیار ہو گیا۔ آپ کے قلم کی کاٹ کسی تیز دھار تلوار سے کم نہ تھی جس نے اثباتِ حق کے لیے کسی ملامت گر کی ملامت کی کبھی پروا نہ کی۔ آپ کا سانحۂ ارتحال نہ صرف میرے لیے بلکہ تمام اہل حدیث اور سارے دینی طبقے

کے لیے انتہائی دکھ اور غم کا باعث ہے۔ اللہ اُنہیں کروٹ کروٹ جنت عطا فرمائے۔"

④ آپ کی وفات پر کبار اہل علم نے شدید رنج و غم کا اظہار فرمایا۔ انڈیا سے امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند محترم اصغر علی سلفی صاحب نے لکھا:

"آپ کی وفات سے جو منہجی، اصلاحی، تربیتی اور علمی و تحقیقی خلا پیدا ہوا ہے، اس کا پر ہونا مشکل ترین نظر آرہا ہے کیونکہ آپ کی شخصیت گوناگوں صلاحیتوں کی حامل تھی۔ آپ مسلک و منہج میں زرِ خالص اور لولوئے آبدار تھے جو بحارِ علم اور انہارِ فکر و فن اور محیطِ فقہ و ادب میں غوطہ زنی اور شناوری اور ہم نشینی کے عوض پروان چڑھے تھے۔ آپ کی فکر میں سنجیدگی و متانت، خیالات میں انتہائی پاکیزگی اور علم میں گہرائی تھی اور إنما يخشى الله من عباده العلماء کے بموجب خشیتِ الٰہی اور رسوخ فی العلم میں معروف اور مشہور علمائے وقت، اولیاء اللہ، علمائے راسخین کی صحبتِ کیمیا اثر سے کندن اور حقیقی جوہر بن کر نکلے تھے جسے محدث بھوجیانی جیسے اہل علم و فکر نے اور زیادہ نکھار دیا تھا۔ آپ کی زبان و بیان اور اُسلوبِ نگارش نہایت سنجیدہ، جاذب، علمی و تحقیقی اور بے نظیر ہے جس کی چاشنی اور اثر انگیزی ع 'از دل خیزد بر دل ریزد' کا صحیح مصداق ہے۔ یوں تو ان کی ساری تصنیفات بے مثال اور لاجواب ہیں لیکن تفسیر احسن البیان بیت القصید (قصیدہ کے بہترین شعر) کی حیثیت رکھتی ہے، وہیں آپ کی جوانی کی تحریر خلافت و ملوکیت اپنے موضوع پر شاہکار ہے۔"[1]

⑤ ان کے دوست اور ساتھی پروفیسر ڈاکٹر مزمل احسن شیخ حفظہ اللہ نے ان کی وفات پر لکھا کہ

"معتدل فکر کے مسلکی حمیت کے حامل، اہل قلم علما کی شان، مفسر قرآن، ہمارے مربی حافظ صلاح الدین یوسف بھی اللہ کے حضور پہنچ گئے۔ قلم سے انتہائی مثبت کام لیا، ۱۰۰ سے زیادہ کتب کے مؤلف تھے۔ تفسیر احسن البیان، حج کے موقع پر ہر حاجی کو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں تحفے میں ملتی ہے۔ یہ قیامت تک کے لئے محترم حافظ صاحب کے لئے صدقہ جاریہ ہے۔ شیطانی قوتوں کے خلاف تحریری جہاد ان کا شعار تھا۔"[2]

سیدی حافظ صلاح الدین یوسف نے لاہور کی جس مسجد میں ۱۹۶۳ء میں امامت سنبھالی اور درس و تدریس کے فرائض انجام دیے، وہیں خطبہ جمعہ بھی دینے لگے۔ میرا بھی قیام وہیں مسجد میں ان سے کسبِ فیض اور صحبت سے منور ہونے کا سبب بنا۔ (کچھ عرصے بعد مسجد سے ہمیں رخصت ہونا پڑا)

---

۱ واٹس ایپ گروپ مجلس التحقیق الاسلامی ۱۲ر جولائی ۲۰۲۰

۲ ماہنامہ کوثر، لاہور، شمارہ اگست ۲۰۲۰ء: ص ۶۰

شروع میں مسجد میں خطیبوں کا آنا جانا لگا رہتا تھا لیکن آپ اپنے فرائض منصبی کو بطریق احسن انجام دیتے رہے۔ آخر کار انتظامیہ کو سمجھ آگئی کہ اصلاح وفلاحِ اُمت کے لیے اصل انداز اور پیغام محترم حافظ صاحب رحمہ اللہ کا ہی ہے۔

سادگی اور منکسر مزاجی کا یہ عالم تھا کہ مسجد کے اوپر ایک طویل عرصہ قیام کیا، اگرچہ شرقی غربی ہونے کی وجہ سے سہولیات عنقا تھیں۔ پنکھے بھی گرم ہوائیں دیتے تھے۔ لیکن مردِ درویش نے درخو اعتنانہ سمجھا، یہاں تک کہ شادی بھی وہیں ہوئی، بچے بھی ہوئے اور تصنیف وتالیف کا تفسیری کام بھی فرش پر بیٹھ کر انجام دیتے رہے۔

پھر وقت آیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا فقیرانہ محل عطا کیا۔ جہاں سے وہ اللہ کی رحمت سے جنت الفردوس کے مکین بنے۔ پنجاب کے پروفیسروں کی ٹریننگ کے دوران رابطہ کار ہونے کی حیثیت سے میری درخواست پر کمالِ شفقت سے شاندار اصلاحی خطاب فرمایا۔

محترم حافظ نذر احمد آسان لفظی با محاورہ ترجمہ مرتب کر رہے تھے۔ متفق علیہ ترجمے کی تیاری کے دوران مولانا عزیز زبیدی (مدیر 'محدث') کی علالت کی وجہ سے سیدی حافظ یوسف صاحب سے نمائندگی کی درخواست کی گئی لیکن آپ نے معذرت فرمائی، ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے عظیم کام لینے تھے، لہٰذا بندہ عاجز کو اس نمائندگی کی سعادت ملی۔ تکمیل پر توثیق کے لیے حاضر ہوا تو سیدی نے جستہ جستہ ترجمہ دیکھ کر تحسین بھی فرمائی اور توثیق بھی۔ الحمدللہ!

مات شيخ الإسلام ابن تيمية أعزبا، ولم يترك ولدًا يدعو له ولكنه ترك **أمة صالحة** تدعو له ...

ومات الإمام النووي أعزبا ولم يكن له ولد يدعو له وفي عصرنا ما من مسلم لا يعرف **الأربعين النووية** ...

والإمام المفسر ابن جرير الطبري مات أعزبا ولم يكن له ولد يدعو له **ولكنه ترك أثرا** لا يستغنى عنه عالم

الإمام مالك

قال الذهبي: ضرب مالك ونيل منه، وحمل مغشيا عليه وقال: إني لأرجو أن **يرفعه الله بكل سوط درجة في الجنة** ثم مات وبقي ذكر الإمام مالك ...

وأين الذين سجنوا الإمام أحمد بن حنبل وجلدوه؟ ذهبوا وبقي **علم أحمد وسيرته وأخباره ومذهبه** ...

وأين الذي خاصموا الإمام البخاري وآذوه وطردوه في الأرض حتى مات شريدا طريدا، وانظر إلى ذكره حتى لم يبق منبر للمسلمين إلا تسمع: **رواه البخاري**...

قد مات قوم وما ماتت مكارمهم
وعاش قوم وهم بين الناس أموات

رحم الله أئمة الهدى،
ووفقنا لما يحبه ويرضى!

دو سال قبل بندہ نے اللہ کے فضل سے مطب عبد الوحید سلیمانی کی کچھ ادویہ پیش کیں تاکہ ضعف کا ازالہ ہو سکے۔ الحمد للہ درخواست پر وہاں سے مزید ادویہ منگوا کر استعمال کرتے رہے اور ماشاء اللہ دمِ آخر تک ہشاش بشاش رہے۔ وفات سے چار دن قبل فون پر دل نشیں محبت بھری آواز سن کر گمان نہ ہوا کہ اتنی جلدی ابدی سفر پر روانہ ہو کر ہم فقیروں کو جدائی کا صدمہ دے جائیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہو!!

میری اہلیہ محترمہ کا جنازہ محترم حافظ صاحب نے ہی پڑھایا۔ رضينا بقضاء الله وصبرنا على بلائه... ہم اللہ کی قضا پر راضی ہیں اور اس کی آزمائش پر اس کی توفیق سے ہی صبر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں ہم سب کو جمع فرمائے۔ آمین!"

⑥ محترم ابتسام الٰہی ظہیر حفظہ اللہ نے مولانا کی وفات پر ایک مستقل کالم تحریر فرمایا، آپ نے لکھا:

"آپ صاحبِ قلم و قرطاس تھے اور جہاں آپ نے ۱۰۰ سے زائد مفصل تحقیقی اور علمی کتب تحریر کیں وہیں پر بعض مختصر مضامین بھی تواتر اور تسلسل کے ساتھ تحریر فرماتے رہے۔ ماہنامہ 'محدث' میں مسلسل لکھنے کے ساتھ ساتھ کئی برس تک علمی رسالے 'الاعتصام' کے مدیر بھی رہے اور آپ کے زیر ادارت نکلنے والے اس رسالے میں چھپنے والے مضامین کا معیار نہایت علمی اور تحقیقی ہوا کرتا تھا اور لوگ بڑے ذوق و شوق سے ان مضامین کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔ آپ نے جہاں پر دیگر بہت سے اہم عناوین پر تحاریر رقم کیں، وہیں پر حالاتِ حاضرہ اور قومی مسائل پر بھی مستند، باحوالہ اور زبردست تحریر لکھا کرتے تھے اور کتاب و سنت کی روشنی میں قومی مسائل کا بہت ہی خوبصورت انداز میں حل پیش کیا کرتے تھے۔

آپ نے ایک مرتبہ والدِ گرامی علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ کے خانوادے کے بارے میں بھی ایک تفصیلی تحریر لکھی جس میں جہاں پر علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ کے والدِ گرامی حاجی ظہور الٰہی اور محترم چچا جان ڈاکٹر فضل الٰہی حفظہ اللہ کا ذکر تھا، وہیں پر آپ نے اس مضمون میں میری بھی بہت حوصلہ افزائی کی اور مستقبل کے حوالے سے نیک توقعات کا اظہار فرمایا۔ یہ آپ کا حسن ظن تھا اور میری یہ کوشش ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ مجھے اُن کی توقعات پر پورا اترنے کی توفیق دے۔ مختلف شخصیات اور خاندانوں پر لکھی جانے والی تحریروں سے حافظ صاحب کی شخصیت کا ایک منفرد پہلو سامنے آتا ہے کہ وہ کس انداز میں مختلف دوست احباب سے اپنی وابستگی کا اظہار کیا کرتے تھے۔

حافظ صاحب نے ذاتی اعتبار سے انتہائی سادہ زندگی گزاری، تواضع اور عجز و انکساری آپ کی شخصیت کے نمایاں اوصاف تھے۔ آپ لوگوں کے ساتھ خوش اخلاقی اور خندہ پیشانی سے پیش آتے۔ طلبہ اور

مسائل پوچھنے والوں سے آپ دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ گفتگو کیا کرتے۔""[1]

⑦ محترم ڈاکٹر حافظ حسن مدنی ﷾، ایڈیٹر مجلہ 'محدث' لاہور لکھتے ہیں:

"محترم حافظ صلاح الدین یوسف ؒ کی وفات ایسے دکھ کی طرح ہے جو وجود میں اُتر جاتا ہے اور کسی لمحے اس سے چھٹکارا نہیں ملتا۔ جن کی موجودگی سے نعمت کا احساس طاری رہتا اور جن کے چلے جانے کے اندیشوں سے راتیں بے چین ہو جاتیں، آہ کہ وہ رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ ان کے اُٹھ جانے سے ہونے والے دکھوں اور مشکلات کا اندازہ تو ان کو ہے جو ان سے پیچیدہ علمی عقدے حل کرایا کرتے اور حافظ صاحب کمال انکساری سے بڑے بڑے مسئلے لمحوں میں کھول دیا کرتے۔ ان کا فون ہر وقت رہنمائی کے لئے کھلا ملتا اور ان کے دروازے ہر لمحے خوش آمدید کہتے۔ عوام ان کی عظمت کیا جانیں کہ جن کو علم وفضل سے کوئی زیادہ تعلق ہی نہیں رہا۔ اہل حدیثوں کی علم و قلم کی مسند آج ویران ہوگئی۔ قلم و قرطاس سے وابستہ اہل حدیث یتیم ہوگئے۔ اس دور میں ۱۰۰ سے زیادہ کتب میں کتاب وسنت کا پرچار کرنے والی ان کے ہم پلّہ کوئی فاضل ہستی ہمیں دور دور تک نظر نہیں آتی۔ وہ حدیث وسنت کے ایک غیور خادم تھے، مقام رسالت پر کبھی مفاہمت نہ کرتے، اہل بدعت سے کنارہ کش رہتے، اہل حدیثوں سے بلا امتیاز والہانہ محبت اور ان کی سرپرستی کرتے۔ جب میں نے ندوۃ المحدثین سے شائع شدہ، 'جہاد پر اہل حدیث کی اعلیٰ خدمات' پر ان کی تصنیف پڑھی تو ان کی حمیت و غیرت اور تاریخی معلومات پر حیران رہ گیا۔ ان سے تذکرہ کیا تو بڑے خوش ہوئے کہ الحمد للہ ان کاوشوں کو پڑھنے والے موجود ہیں۔

اپنے دور کے ہر صاحب قلم کو ہی نہیں، دین کے ہر مخلص خادم کو ان کی سرپرستی اور مسلسل حوصلہ افزائی میسر آئی۔ مجھے ان کی بیس برس کی مسلسل سرپرستی حاصل رہی، میں نے کتنی تحریریں لکھی اور ان کا فون آتا، جس میں محبت آمیز حوصلہ افزائی ہوتی، کہیں ضروری اصلاح بھی فرما دیتے۔ آپ نے ہمیں لکھنا سکھایا، مسلسل لکھنے کا حوصلہ دیا اور پھر لمحہ لمحہ سرپرستی کی۔

حضرت حافظ صلاح الدین یوسف ؒ سے زیادہ اپنے چھوٹوں کا دھیان کرنے والا اور حوصلہ افزائی کرنے والا میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا۔ ان کے رابطہ کرنے پر میں شرمسار ہو جاتا، ہمیشہ کھڑے ہو کر ان کا فون سنتا اور ان کے حکم کی بجا آوری کی کوئی نہ کوئی صورت نکالنے میں رہتا۔ حافظ صاحب علم کے پہاڑ تھے، آخری ۶۰ سال کی علمی دنیا ان کی انگلیوں پر تھی، ہر معاملے پر مراجع اور

---

1 روزنامہ دنیا، لاہور ۱۵/ جولائی ۲۰۲۰ء: ص۹

تفصیلات سے آگاہ کرتے۔"[1]

⑧ شیخ خورشید احمد سلفی ﷾، شیخ الجامعہ جامعہ سراج العلوم السلفیہ، جھنڈا نگر، نیپال لکھتے ہیں:

"حافظ صاحب کوئی عام قسم کے عالم نہیں تھے بلکہ کثیر الجہات اور تہہ بہ تہہ شخصیت کے مالک تھے۔ وہ نابغہ روزگار علما میں سے تھے۔ یقیناً وہ ترجمانِ کتاب و سنت اور فدائے سلفیت تھے۔ ان کا ذہن و فکر اتباعِ سنت کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا۔ وہ مسلک و منہج میں زرِ خالص اور لولوئے آبدار تھے، ان کی فکر میں بڑی سنجیدگی و متانت اور خیالات میں انتہائی پاکیزگی تھی۔ موصوف نے جو عظیم الشان کارنامہ انجام دیا ہے، وہ آبِ زر سے لکھے جانے کے لائق ہے۔ تفسیر قرآن کی خدمت ایسی قابل قدر ہے کہ صرف اسی ایک پر وہ سونے سے تولے جانے کے لائق تھے۔ ریاض الصالحین کا ترجمہ اور تشریح بے مثال ہے۔ دفاعِ صحابہ و دفاعِ حدیث کے باب میں 'خلافت و ملوکیت کی تاریخی و شرعی حیثیت' کو توخطیب الاسلام علامہ عبد الرؤف رحمانی نے اس صدی کا بڑا اہم کارنامہ قرار دیتے ہوئے، نوبل پرائز کا مستحق گردانا تھا۔ اس سے ان کی مراد بحث و تحقیق میں معیار کی بلندی اور سنت کی پاسداری تھی۔ ان کے علاوہ ان کی متعدد قلمی کارنامے اور علمی یادگاریں ہیں۔ مجھے ذاتی طور سے ان کی تحریریں بے حد پسند تھیں اور طلبہ کو ان کے مطالعے کی رغبت دلاتا رہتا تھا۔"[2]

⑨ پروفیسر قاضی طاہر علی ہاشمی صاحب نے تحریر فرمایا:

"دیگر اکابر علماء اہل سنت کی طرح حافظ صاحب ؒ بھی زندگی بھر 'دفاعِ صحابہؓ' کے موضوع سے وابستہ رہے۔ یہ موضوع بجائے خود عبادت اور ایک اہم دینی فریضہ ہے کیونکہ صحابہ کرامؓ کے مجروح ہو جانے کے بعد قرآن مجید، ذخیرۂ حدیث اور نبوت و رسالت سبھی مشکوک ہو جاتے ہیں۔"

"ہر دور میں علمائے حق دفاعِ صحابہؓ کا فریضہ سرانجام دیتے رہے، جن میں بجا طور پر محترم جناب حافظ صلاح الدین یوسف ؒ کا اسم گرامی بھی ہے جو عالم شباب سے لے کر اپنی وفات تک دفاعِ صحابہؓ کا پرچم تھامے اور بلند کئے رہے۔"[3]

⑩ محترم ابو بکر قدوسی ﷾ نے لکھا:

"میں بہت دور بیٹھا ہوں... کل صبح دم سفر کے لیے گھر سے نکل کر شام ڈھلے منزل پر پہنچا... تھکا ہارا

---

1 وائس ایپ گروپ مجلس التحقیق الاسلامی ۱۵؍جولائی ۲۰۲۰ بعنوان 'آہ! سالار قافلہ چلا گیا....!!'

2 وائس ایپ گروپ مجلس التحقیق الاسلامی ۱۲؍جولائی ۲۰۲۰ بعنوان 'آہ! سالار کارواں جاتا رہا'

3 وائس ایپ گروپ مجلس التحقیق الاسلامی ۲۰؍جولائی ۲۰۲۰ بعنوان مولانا حافظ صلاح الدین یوسفؒ اور دفاعِ صحابہؓ

جلد سو گیا۔ دھوپ اوپر اٹھ آئی تو خبر ملی کہ حافظ صاحب رخصت ہو گئے... دل پر عجیب سا بوجھ پڑ گیا ... ایک کے بعد، قطار اندر قطاریوں بزرگ رخصت ہو رہے تھے کہ جیسے اندھیری رات میں بادل اُمڈ آئیں اور ان بادلوں کی کسی آوارہ ٹکری کے بیچ سے کوئی ستاروں کی لڑی اپنے رخ سے نقاب ہٹائے، مسکرائے، آنکھ جھپکے، بادل آنکھ مچولی کھیلے اور پھر سے آجائے، اور ستارے کھو جائیں۔ کل حافظ صلاح الدین یوسف رخصت ہوئے، میں فون پر عثمان یوسف سے تعزیت کرتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ ان کی وفات کا جتنا غم ہے، اتنا ہی غم ان کے جنازے میں شرکت نہ کرنے کا ہے۔ ایک روز مکتبہ قدوسیہ پر بیٹھے... ہاں تینتیس برس گذر رے۔ اداس کر دینے والا دن تھا، حافظ صاحب مجھے ایک ڈھلتی شام کا قصہ سنا رہے تھے، مارچ کے آخری عشرے کا آغاز تھا۔ اس برس مارچ بہت ٹھنڈا تھا، ایک دم اُداس کر دینے والا... حافظ صلاح الدین یوسف نمناک آنکھوں سے بتا رہے تھے:

"میں اسی جگہ مکتبہ قدوسیہ پر مولانا عبد الخالق قدوسی کے ساتھ بیٹھا تھا، ایک دم وہ کچھ اداس سے ہو گئے... اور کہنے لگے کہ بس اب دنیا سے جی اُٹھ سا گیا ہے... میں نے کچھ شوخ سا ہو کے کہا کہ اپنی کتب ہماری لائبریری (الاعتصام) کے لئے وصیت کر دیجئے... مولانا قدوسی جیسے مزید اداس ہو کے بولے کہ اگر میرے بچے مدرسے میں گئے تب ان کی، اور اگر لارنس روڈ پر لائبریری بن پائی تو وہاں کے لئے۔ وگرنہ آپ کی۔ دو دوستوں کی آپسی یہ بے تکلفانہ گفتگو تھی۔ کچھ عرصہ بعد میں نے اسی کو اپنے والد کی وصیت جانا اور ان کی کتب مولانا عطاء اللہ حنیف کی لائبریری کو دے دیں۔"[1]

(۱۱) پیغام ٹی وی سے وابستہ محترم یوسف سراج صاحب نے لکھا:

"زندگی میں جو سب سے پہلی تفسیر میں نے پڑھی اور اللہ کا کلام مجھے سمجھ میں آیا اور میں نے جس عبارت سے اُردو ادب کا حظ اُٹھایا، وہ مفسر قرآن مولانا صلاح الدین یوسفؒ کی لکھی ہوئی تفسیر 'احسن البیان' تھی۔ اسے پڑھ کر نہ صرف قرآن سمجھنے کی کتاب لگا بلکہ رواں عبارت کا لطف الگ سے دل و دماغ کو سرشار کرتا رہا۔ یہ کتاب مجھے نہ ملتی تو نہ جانے کب تک میں قرآن کو محض عبادت کی کتاب ہی سمجھتا رہتا۔"

(۱۲) مجلہ البیان، کراچی سے وابستہ محترم حماد امین چاولہ نے لکھا:

"آج جہاں بہت سے محبانِ دین و علم محترم شیخ کی جدائی پر غمگین ہیں، وہیں المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر بھی خود کو علمی و روحانی طور پر یتیم محسوس کر رہا ہے۔ یقیناً جب سے ہمارے ادارے کے شعبہ

---

1 واٹس ایپ گروپ جمعیت اہلحدیث او ہنگام بعنوان حافظ صلاح الدین یوسف، کچھ یادیں: ۱۳؍ جولائی ۲۰۲۰ء

تحقیق و تالیف کو شیخ رحمہ اللہ کی علمی سرپرستی حاصل ہوئی گویا کہ ایک نئی روح ہو جو اس میں پھونک دی گئی ہو۔ ابھی حالیہ ہی شیخ رحمہ اللہ کی جنازہ کے احکام و مسائل پر مشتمل ایک جامع تالیف جو ایک انسائیکلوپیڈیا سے کم نہیں، ادارہ سے شائع کی گئی... اصل میں ادارہ فضیلۃ الشیخ علامہ عبد اللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ کی خواہش، حکم اور سرپرستی میں دفاعِ حدیث کے موضوع پر ایک موسوعہ ترتیب دینا چاہتا تھا جس کے لیے محترم مفسرِ قرآن فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوس رحمہ اللہ سے گزارش کی گئی کہ وہ ادارہ کے شعبۂ تحقیق و تالیف کی سرپرستی بھی کریں اور اس موسوعہ کا آغاز بھی جسے شیخ نے شفقت فرماتے ہوئے قبول فرمایا اور اسی سلسلہ میں ابتدائی دو جلدیں بڑے اہم و منفرد موضوعات پر ادارہ سے شائع بھی کی جا چکی ہیں جبکہ مزید پر مشاورت جاری تھی۔ شیخ علم کا وہ سمندر تھے جس سے جتنا چاہو، استفادہ کرتے رہو... ابھی ایک کتاب مکمل فرماتے کہ پیچھے دوسری بھی تیار ہوتی جس کی طباعت کے منتظر رہتے۔"[1]

(۱۴) معروف قلم کار محترم اعجاز حسن صاحب نے کئی اقساط میں مولانا کے ساتھ اپنی ملاقاتوں کے احوال بڑی خوبصورتی کے ساتھ رقم فرمائے ہیں۔ اُنہوں نے مولانا صلاح الدین یوسفؒ کو قلم و قرطاس کا صلاح الدین ایوبی قرار دیا۔ لکھتے ہیں:

"میرے ایوبی کے مورچے سے ایسے گوہر تخلیق ہوتے کہ اہل باطل کی صفوں میں کھلبلی مچ جاتی۔

عاجزی ایسی کہ محترم اعجاز حسن صاحب کی قرآن مجید کے ترجمے سے متعلق نشان دہی پر فوراً اصلاح فرمائی اور شکریہ بھی ادا کیا۔ لکھتے ہیں:

"محترم اعجاز حسن صاحب! آپ کا مکتوبِ گرامی ملا۔ اس میں آپ نے سورہ ہمزہ کی آخری دو آیات کے ترجمے میں تقدیم و تاخیر کی غلطی کی نشان دہی فرمائی ہے۔ جزاك الله أحسن الجزاء! ہم اس توجہ فرمائی پر آپ کے شکر گزار ہیں۔ ان شاء اللہ جب بھی موقع ملا، اس کی تصحیح کر دی جائے گی۔"

مولانا انتہائی شاکر و صابر اور راضی بہ رضا رہنے والی عظیم شخصیت تھے۔ ایک انٹرویو میں ازواج اور اولاد سے متعلق جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"بیوی الحمد للہ ایک ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بیوی ایسی عطا کی ہے جو ظاہری اور باطنی ہر قسم کی خوبیوں سے آراستہ ہے۔ اس لیے کبھی دوسری شادی کا سوچا بھی نہیں۔ ایک ہی بیوی سے بڑی خوشگوار زندگی

1 وانس ایپ گروپ مجلس التحقیق الاسلامی ۱۲ر جولائی ۲۰۲۰ بعنوان آہ! حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ آج دل بہت غمگین ہے!

گزری ہے اور ابھی تک گزر رہی ہے۔ بس دعا فرمائیں کہ بقیہ زندگی بھی اسی طرح بھرپور انداز سے گزر جائے جس طرح اب تک گزری ہے۔

الحمد للہ میرے سات بچے ہیں؛ چار بیٹیاں اور تین بیٹے۔ چاروں بیٹیاں شادی شدہ ہیں اور اپنے اپنے گھروں میں خوش وخرم ہیں۔''

☜ مولانا ادب اور شعر کا بھی ایک خاص ذوق رکھتے تھے، اپنے انٹرویو میں فرماتے ہیں:

''شعری اور ادبی ذوق ہونا اصحابِ علم کے لیے بہت اچھا ہے۔ اس میں کمی کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہمارے علماء ادبی چیزوں کا مطالعہ نہیں کرتے، اشعار وغیرہ نہیں پڑھتے۔ ہمارے علماء کو یہ کمی دور کرنی چاہیے۔ ہر صاحبِ علم کے اندر یہ ذوق ہونا چاہیے۔ اس کے بڑے فوائد ہیں۔ بول چال میں بھی تقریر میں بھی اور تحریر میں بھی۔ علاوہ ازیں ٹی وی اور نیٹ وغیرہ نے لوگوں کی ترجیحات بدل دی ہیں۔ ان کے پاس وقت ہو یا نہ ہو، وہ ٹی وی پروگراموں کو دیکھنا ضروری سمجھتے ہیں۔ لیکن افسوس بلکہ ماتم والی بات یہ ہے کہ دینی جرائد ورسائل اور دینی وعلمی کتب کا مطالعہ ان کے معمولات ہی سے خارج ہے، حالانکہ یہ ان کی ایک علمی ضرورت ہے۔ مطالعے سے ذہنی اُفق بھی وسیع ہوتا ہے۔''

☜ علمی اختلافات بارے مولانا صلاح الدین یوسفؒ کا کہنا یہ ہوتا کہ یہ اختلاف فطری ہوتے ہیں، جنہیں علماء کی سرپرستی میں کم کیا جاسکتا ہے، ختم نہیں کیا جاسکتا، فرماتے ہیں:

''اختلافات فطری ہی ہوتے ہیں، اُنہیں خود پیدا کردہ کہنا تو درست نہیں۔ اس کی وجہ بنیادی طور پر یہ ہوتی ہے کہ سب اہل علم اپنی اپنی تحقیق کرتے ہیں اور نتائج تحقیق ایک دوسرے سے اختلاف پر مبنی ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ اختلافات فطری ہی ہیں، ان کو غیر فطری یا پیدا کردہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ البتہ اس کا حل کیا ہے؟ اس کا اصل حل تو یہ ہے کہ علماء کی ایسی کمیٹی بنے جو ان تمام مسائل پر اور اس کے ساتھ ساتھ مسائل حاضرہ پر تحقیقی انداز سے گفتگو کرے۔ ان مسائل پر مقالے لکھے جائیں، ان کو وقت دیا جائے، مقالے مرتب کروائے جائیں اور ان پر بحث ومباحثہ ہو تو اس طرح اختلافات کچھ کم کیے جاسکتے ہیں، پھر بھی مکمل طور پر ختم نہیں کیے جاسکتے لیکن بہت حد تک ان کو مؤثر انداز سے حل کیا جاسکتا ہے۔''[1]

☜ جدید مفکرین اور دیگر فکری گمراہی میں مبتلا لوگوں کا لٹریچر پڑھنے کے بارے مولانا کا نقطہ نظر ان کی مسلکی وابستگی کا منہ بولتا ثبوت ہے، فرماتے ہیں:

1 واٹس ایپ گروپ مجلس التحقیق الاسلامی: ۱۴؍جولائی ۲۰۲۰ء بعنوان میرے صلاح الدین یوسف (ابوبی) رحمہ اللہ

"ان حضرات (مولانا مودودیؒ اور سید قطبؒ وغیرہم) کا لٹریچر موجودہ مسائل کے حل کے لیے یقینا مفید ہے، لیکن اس کے بعض خطرناک اور زہریلے اثرات بہر حال ہیں۔ اس لیے جو نو آموز اور نو خیز طلبہ ہیں، ان کے لیے ان کا پڑھنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ اس کا حل اصل میں یہ ہے کہ پہلے ہمارے نوجوان علما کو اپنے جید علماے کرام کی تحریروں کا گہری نظر سے مطالعہ کرنا چاہیے تاکہ ان کے اندر صحیح معنوں میں اپنی مسلکی عصبیت پیدا ہو جائے اور وہ صحیح نقطہ نظر سے آشنا ہو جائیں بلکہ جید علما کے مقالات کو اس حد تک پڑھیں کہ ان کے اندر ایسی حس پیدا ہو جائے کہ وہ کسی کے افکار کو پڑھتے ہوئے اس میں موجود انحراف کو فوراً محسوس کر لیں۔ جب اس قسم کی صلاحیت ان میں پیدا ہو جائے تو پھر وہ ان حضرات کا لٹریچر پڑھیں، ان شاء اللہ اُمید ہے کہ وہ گمراہی کی بجائے افادیت کا باعث بنے گا۔ عام شخص کے لیے ان حضرات کا لٹریچر پڑھنا مفید کم اور نقصان دہ زیادہ ہے۔ پڑھنے والے کے اندر فکری انحرافات پیدا ہو سکتے ہیں۔ صرف وہی طلبہ ان کتب سے کماحقہ استفادہ کر سکتے ہیں جو اپنے علما کی تحریریں پڑھ کر حق وباطل کے امتیاز کی صلاحیت پیدا کر چکے ہوں۔"

☜ اہل حدیث تنظیموں سے وابستگی بارے آپ نے فرمایا:

"ہماری جماعت کی کئی تنظیمیں ہیں اور سب ہی مسلکِ اہلحدیث کی دعوت دیتی ہیں، لہٰذا کسی ایک تنظیم سے اس طرح وابستہ ہو جانا کہ دوسری تنظیموں سے رابطہ اور تعلق ختم کر دیا جائے، قطعاً غلط اور نامناسب رویہ ہے جو بدقسمتی سے مختلف تنظیموں سے وابستہ لوگوں میں پایا جاتا ہے۔"

کتاب 'مفسر قرآن حافظ صلاح الدین یوسفؒ؛ شخصیت و خدمات'

تیاری کے مراحل میں

والدِ گرامی مفسر قرآن، مصنفِ کتبِ کثیرہ، فقیہ و محدث، شریعت و قانون کے ماہر، کہنہ مشق صحافی مولانا حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ کی شخصیت، حیات اور علمی، ادبی، دینی و مذہبی کثیر الجہات خدمات پر مشتمل ایک جامع کتاب زیر ترتیب ہے جو کہ ان کے جاری کردہ مکتبة ضياء الحديث کے زیر اہتمام عنقریب منظر عام پر آئے گی۔ جس میں والد گرامی کے شاگردان، منتسبین، ہم عصر علماء اور اکابر کے تاثرات اور مضامین و مقالات شامل ہوں گے۔ ان شاء اللہ!

والد گرامی سے متعلق اپنے تاثرات و مضامین ہم تک لازمی پہنچادیں۔ جزاکم اللہ خیراً

حافظ محمد عثمان یوسف مدنی پتہ: ۴۰/۱۲۴ شاداب کالونی، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور

موبائل: ۰۳۲۲-۴۹۴۵۴۶۷، ۰۳۳۵-... ای میل: us.ay@hotmail.com

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL

تبلیغ دین کے لیے مجلس التحقیق الاسلامی کی عظیم الشان

ویب سائٹس

فنی معاونت	علمی معاونت	زیرنگرانی	زیرسرپرستی
انجینئر محمد شاکر اعوان	قاری مصطفیٰ راسخ	ڈاکٹر حافظ انس نضر	ڈاکٹر حافظ عبدالرحمٰن مدنی
انجینئر عمیر حسن راجہ	قاری خضر حیات	ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی	ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

محدث
Mohaddis.com

محدث لائبریری
Kitabosunnat.com

محدث فتویٰ
UrduFatwa.com

محدث میگزین
Magazine.Mohaddis.com

محدث فورم
Forum.Mohaddis.com

خصوصیات

- اسلامی کتب، مضامین اور فتاویٰ کے لیے مقبول ترین اور روزانہ اپڈیٹ ہونے والی ویب سائٹس۔
- اسلامی لٹریچر اور شرعی مسائل کے لیے دنیا بھر سے ملنے والے مطالبوں کی تکمیل
- یومیہ مناسبت کے مطابق خصوصی مضامین
- تمام ویب سائٹس اردو زبان میں
- تمام ویب سائٹس پر تبصرے و جائزے اور تاثرات و شماریات کی سہولت

جاری پروگرام

محدث
Mohaddis.com
احادیث نبویہ کا عظیم ذخیرہ، ترجمہ اور تحقیق و تخریج کی سہولت کے ساتھ

محدث لائبریری
Kitabosunnat.com
- یومیہ 3 کتب کا اضافہ (PDF)
- حالات کی مناسبت سے اہم مضامین

محدث فتویٰ
UrduFatwa.com
- تمام سلفی مطبوعہ فتاویٰ جات کی اپ لوڈنگ
(نئے پیش آمدہ مسائل کے فوری جوابات)

محدث میگزین
Magazine.Mohaddis.com
47 سال کے مطبوعہ تمام شمارے
(Unicode / PDF)

محدث فورم
Forum.Mohaddis.com
موضوعات: 34,261 ترسیلات: 279,857
اراکین: 4930

یومیہ 25000 وزیٹر
ہر لمحہ 3000 قارئین

مستقبل کے منصوبے

- محدث یونیکوڈ لائبریری
- محدث بلڈ بنک
- محدث آڈیو، ویڈیو سیکشن
- رسائل و جرائد سیکشن

ماہانہ اخراجات سوا تین لاکھ روپے

زیر اہتمام: مجلس التحقیق الاسلامی 99-J ماڈل ٹاؤن، لاہور

Mobile:+92 322 7222288
anasnazar99@gmail.com
Account: kitabosunnat.com, 0093-01875659, Bank AlFalah, Urdu Bazar, Lahore Swift Code: ALFPKKA093
Designing: AK 0321 4966404

www.kitabosunnat.com magazine.mohaddis.com

CPL No. 49
Vol. 51 No. 3
Monthly MUHADDIS Lahore
35866476
35866396

عناد اور تعصب قوم کے لیے زہرِ ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں

لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر اِفہام وتفہیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔

علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں مخل کا درجہ رکھتے ہیں

لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے

لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظرانداز کردینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے

لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین ومسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کردینے کے مترادف ہے۔

آئین وسیاست سے بیگانہ ہوکر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہوجانا زندگی سے فرار ہے

لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے

لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ **محدث** لاہور

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات ومحاسن سے مزین پائیں گے، اِن شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

- قیمت فی شمارہ ۶۰ روپے
- زرِ سالانہ ۳۰۰ روپے

Designing: AK 0321-4966404

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL 99-J, Model Town, Lahore 54700